۱۹۶۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر ادارت

امین احسن اصلاحی

قیمت فی پرچہ : ساٹھ پیسے
سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)

ماہنامہ میثاق، لاہور

جلد ۶ | ذیقعدہ، ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ | شمارہ ۵

فہرستِ مضامین

تذکرہ و تبصرہ ـــــ امین احسن اصلاحی ـــــ ۲

تدبرِ قرآن

تفسیر سورۂ بقرہ ـــــ امین احسن اصلاحی ـــــ ۱۲

افاداتِ فراہی

اصولِ تفسیر ـــــ جناب خالد مسعود صاحب ـــــ ۲۴

مقالات

اسلام اور انسانی حقوق ـــــ مولانا ضیاالدین صاحب اصلاحی ـــــ ۳۳

اقتباسات و تراجم

سائنس کا اعترافِ حقیقت ـــــ ادارۂ اجمل باغ ـــــ ۴۵

تقریظ و تنقید ـــــ ۵۲

ہندوستانی خریداروں کیلئے ترسیلِ زر کا پتہ

نیجر "الفرقان"

کچہری روڈ لکھنو

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ

نیجر ماہنامہ "میثاق"

رحمانپورہ ـــــ اچھرہ

لاہور-۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے منٹگمری شہر میں کچھ عرصہ سے ایک حلقہ مطالعہ قرآن جاری کر رکھا ہے۔ اس کے زیر اہتمام ہفتہ وار درس قرآن بھی ہوتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسلامی مباحث پر علمی و تحقیقی لکچروں کے لئے باہر کے اصحاب علم کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کی دعوت پر دو مختلف موقعوں پر دو لکچر ــــ تدبر قرآن کے آداب و شرائط ــــ اور ــــ قرآن کا فلسفہ تاریخ ــــ کے عنوانوں سے راقم کو بھی دینے کے موقعے نصیب ہوئے۔ ان دونوں لکچروں میں شہر کے ذہین طبقہ کی ایک اچھی تعداد نے شرکت کی اور تقریروں سے پوری دلچسپی لی۔ یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ بھی کر لی گئی ہیں، اور حلقہ کی طرف سے افادہ عام کی غرض سے ان کی اشاعت کی بھی سکیم ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ شہر کے تعلیم یافتہ طبقہ کی دلچسپی برابر اس حلقہ کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور قرآن سے استفادہ کرنے والوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے نہایت مفید اور بابرکت کام کی بنیاد ڈالی۔ یہ دور اسلام کی غربت کا دور ہے۔ اس دور میں اللہ کے جس بندے سے دین کی جو خدمت بھی بن آئے، اس میں اپنا تن من دھن لگا دے۔ آج چھوٹی چھوٹی خدمتوں کا بھی انشاء اللہ وہ اجر ملے گا جو کل بڑی بڑی خدمتوں ہی کے لئے مخصوص تھا۔ شرط صرف قربانی اور اخلاص نیت کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کام کے ساتھ ساتھ ایک اور نہایت ہی مفید اور قابلِ تقلید کام کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ ہے ایک اسلامی دارالاقامہ کا قیام۔ اس دارالاقامہ کا مقصد ان طلبہ کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت کی تمام ضروری سہولتیں مہیا کرنا ہے جو مقامی کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ ہم عرصہ سے یہ محسوس کر رہے تھے اور ہمارے اس احساس میں دوسرے بہت سے اربابِ فکر و نظر بھی شریک ہیں کہ اس زمانہ میں جبکہ دین اور دنیا دونوں کی جامع درسگاہیں مفقود ہیں اور ان کا قائم کرنا اور کامیابی کے ساتھ چلانا بحالاتِ موجودہ تقریباً محال ہے تو ان کے بدل کے طور پر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ ہر بڑے شہر میں ایسے ہوسٹل قائم کیے جائیں، جن میں کالجوں کے طلبہ کے لئے رہائش کی سہولتیں بھی فراہم ہوں اور ذی علم اور دیندار اساتذہ کی نگرانی میں ان کو اسلامی تعلیم و تربیت سے بھی آراستہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ ایک بیچ کی راہ ہے جو موجودہ حالات میں تعلیمی اداروں کے مضر اثرات کو کم کرنے اور ان کے اندر سے سعید روحوں کو پہچان کر ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اسلام کی راہ پر لگانے کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے۔

اس وقت جدید تعلیم و تہذیب کے جادو نے ہماری پوری قوم کو بالکل مسحور کر رکھا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس امرِ واقعی سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ ان کالجوں اور یونیورسٹیوں میں آج بھی ایسے کتنے نوجوان موجود ہیں جو اسلامی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے اندر شدید تشنگی رکھتے ہیں لیکن ان کے سامنے مشکل یہ ہے کہ ان کے اپنے کالجوں اور ہوسٹلوں کے ماحول میں ان چیزوں کے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہے نہیں اور شہروں میں ایسا کوئی دوسرا نظم نہیں، جس سے وابستہ ہو کر وہ اپنی موجودہ تعلیمی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ اپنی دینی تعلیم و تربیت کی یہ تمنا بھی پوری کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم و تربیت کے افسوں نے جن کو ہلاک کر چھوڑا، وہ تو ہلاک ہیں ہی۔ لیکن جن کی براہیمی فطرت ابھی تک زندہ ہے ان کو بھی ہم نے ہلاک ہونے ہی کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ حالانکہ تھوڑی سی نمی بھی ان کے لئے فراہم ہو جاتے تو خدا کے فضل سے ان کے اندر زرخیزی کی بڑی صلاحیتیں ودیعت ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ انہوں نے ہماری یہ دیرینہ تمنا بھی پوری کرنے کے لئے ایک قدم اٹھایا۔ اگرچہ ابھی یہ قدم ایک بالکل ابتدائی قدم ہے لیکن توقع ہے

کہ شہر کے اہل خیر حضرات نے اگر اس ہوسٹل کی اسلامی قدر و قیمت پہچانی تو ڈاکٹر صاحب اس کو ایک معیاری ہوسٹل کے درجہ پر انشاء اللہ بہت جلد پہنچا دیں گے۔ فی الحال اس مقصد کے لئے ایک موزوں مکان کرایہ پر لے لیا گیا ہے۔ اسلامی ذہن رکھنے والے چند بیرونی اور چند مقامی طلبہ نے اس میں داخلہ لے لیا ہے۔ مفید اسلامی کتب پر مشتمل ایک کتب خانہ اس کے اندر قائم کر دیا گیا ہے۔ عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم کے لئے دو استادوں کی خدمات پہلے سے حاصل تھیں اور اب ہمارے مخدوم و محترم دوست مولانا عبدالغفار حسن صاحب طلبہ کی تعلیم و تربیت اور حلقۂ مطالعہ قرآن کی نگرانی کے لیے مستقلاً لائلپور سے منٹگمری منتقل ہو گئے ہیں۔ مولانا کی صحبت دین کے علم و عمل کے طالبوں کے لیے ایک عظیم نعمت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبہ اور اہل شہر ان کے فیض سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

اس تقریب سے ہم سب سے پہلے تو اپنے ملک کے دینی خدمت گذاروں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے شہروں کے طلبہ کے لئے بھی اسی نمونے کے ہوسٹل قائم کریں، خاص طور پر بڑے بڑے شہروں میں ان کی ضرورت بھی شدید ہے اور ان کی کامیابی کے امکانات بھی زیادہ ہیں۔ اس سلسلہ میں طریق تربیت و تعلیم یا طریق کار سے متعلق اگر کسی کو مشورہ یا رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو، تو وہ مولانا عبدالغفار حسن صاحب سے حلقۂ مطالعہ قرآن، چوک کنواں نور والا منٹگمری کے پتہ پر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسری گذارش ہم ملک کے اہل خیر حضرات سے کریں گے کہ اس زمانہ میں دین کی تعلیم کو مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے یہ طریقہ جتنا مفید ہو سکتا ہے، دوسرا کوئی طریقہ شاید ہی مفید ہو سکے۔ یہ ہوسٹل دین و دنیا دونوں کے جامع مدارس کے بالمقابل بہت تھوڑے مصارف سے قائم ہو سکیں گے اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے اور ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو دین کی طرف مصروف کرنے میں ان کا رول انشاء اللہ نہایت شاندار رہیگا۔ اس وجہ سے جو اصحاب ثروت اس کام میں تعاون کرینگے ہمیں امید ہے کہ وہ اپنے مال سے دین کی نہایت مفید خدمت انجام دینگے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کے مستحق ہوں گے۔

ہماری تیسری گذارش طلبہ اور ان کے سرپرستوں سے ہے کہ جہاں کہیں اس قسم کے ہوسٹل نہیں

میسر آئیں وہ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں جو طلبہ منٹگمری میں ہیں یا وہاں قیام کر کے ان کے لئے تعلیم حاصل کرنا ممکن ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی ناشکری کریں گے اگر اس انتظام سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ بات کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ گو اللہ کا دین ہم میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے، لیکن ہم اس کے محتاج ضرور ہیں، اگر ہم نے سب کچھ سیکھا، لیکن خدا کے دین ہی کو نہیں سیکھا تو ہمارا سارا سیکھنا اور پڑھنا ہمارے لئے صرف وبال بنے گا۔

۲

ہمیں پرویز صاحب کے ایک پُرزور حمائتی کی طرف سے ایک مراسلہ موصول ہوا ہے جسمیں پہلے تو ان علماء پر بڑی لے دے کی گئی ہے جنہوں نے پرویز صاحب پر کفر کا فتوے لگایا ہے، پھر ہم سے باصرار یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم ان کے مراسلہ کو میثاق میں چھاپیں اور پوری ایمانداری کے ساتھ اس پر اپنی رائے ظاہر کریں، اگر پرویز صاحب ہمارے نزدیک بھی اسی طرح کافر ہیں جس طرح دوسرے علماء کے نزدیک وہ کافر ہیں تو ہم بھی علماء کے ہمنوا ہو کر ان کے کفر کا اعلان کریں اور اگر ہم اس فتوے کے بعد بھی پرویز صاحب کو بدستور مسلمان سمجھتے ہیں تو اخلاقی جرأت سے کام لے کر اس فتوے کی پوری طاقت سے تردید کریں۔

اس مراسلہ کے علاوہ "ہمیں کافر گری" کے عنوان سے خود پرویز صاحب کی طرف سے بھی ایک پمفلٹ موصول ہوا ہے۔ اس کے بھیجنے سے بھی ان کا مقصود غالباً یہی ہوگا کہ ہم اس پر اظہار رائے کریں لیکن اس وقت نہ تو ہم اس فتوے پر کوئی رائے ظاہر کرنا چاہتے نہ پرویز صاحب کے پمفلٹ اور صاحب مراسلہ کے مراسلہ پر۔ ان چیزوں پر کسی اظہار رائے کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ کام ہم بعد میں کریں گے اور انشاء اللہ نہایت تفصیل سے کریں گے، اس اظہار رائے کے بجائے اس وقت ہم پرویز صاحب اور ان کے حمائتیوں کی خدمت میں اپنے چند مشورے عرض کرنا چاہتے ہیں اُمید ہے کہ وہ ان مشوروں کو اخلاص پر مبنی سمجھیں گے اور قبول کریں یا نہ کریں لیکن اپر غور ضرور کریں گے۔

پہلی گذارش یہ ہے کہ وہ یہ موقف اختیار نہ کریں کہ علماء کو کسی پر کفر کا فتوے لگانے کا حق نہیں ہے اس امر میں تو شبہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کے کفر وارتداد پر اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے۔ لیکن یہ بتانا کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے ہر حال میں علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری

ان پر اللہ اور رسول کی طرف سے ڈالی گئی ہے ۔ اگر وہ اس کو ادا نہ کریں گے تو اس کے لیئے وہ عند اللہ ذمہ دار ٹھہریں گے ۔ یہ ذمہ داری یوں تو ان پر ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی لیکن خاص طور پر اس زمانہ میں تو اس کے تنہا حامل وہی ہیں، اس لیئے کہ اس دور میں مسلمان حکومتوں کو لوگوں کے کفر و ایمان کے معاملہ سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رہ گیا ہے، وہ یا تو سیکولرزم کے پردے میں غیر جانبدار بن کر بیٹھ گئی ہیں یا پھر مغربیت کے زیر اثر آزادی و بے قیدی کی سرپرستی کر رہی ہیں ۔ ایسی صورت میں اگر علماء بھی لوگوں کی ہدایت و ضلالت کے معاملہ سے بالکل بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ نبی اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت شیطان اور اس کی ذریات کی صرف ایک چراگاہ بن کر رہ جائے ۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ اس فتوے کے جواب میں تاویل بازی اور مغالطہ انگیزی کی جو روش اختیار کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے، علماء نے جو فتویٰ دیا ہے وہ پرویز صاحب کی کسی مبہم عبارت یا کسی مغلق تحریر یا مجمل قول پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی توضیح و تشریح کی ضرورت پیش آئے ۔ وہ یہ فتویٰ پرویز صاحب کے ایسے عقاید و نظریات پر مبنی ہے ، جن کو وہ ایک مدت دراز سے بیان کر رہے ہیں (بلا مبالغہ ان کی وضاحت میں پرویز صاحب نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں صفحات سیاہ کیئے ہیں) صرف بیان ہی نہیں کیئے ہیں ۔ بلکہ بڑے شد و مد سے لوگوں کو ان کی دعوت بھی دی ہے ۔ صرف دعوت ہی نہیں دی ہے بلکہ ان کے پندار میں مسلمان قوم کے تمام اسلاف و اخلاف کو جاہل اور بیوقوف بھی ٹھہرایا ہے ۔ جو داستان اتنے تکرار و اعادہ کے ساتھ سُنی اور سنائی جا چکی ہو اور جو تنقید و تردید کے بھی تمام مراحل سے گذر چکی ہو، اس کے متعلق جب یہ بات کہی جاتی ہے کہ پرویز صاحب کا مطلب یہ نہیں بلکہ یہ ہے تو اس پر ہمدردی کے بجائے آدمی کو غصہ آتا ہے ۔ اس قسم کی روش صرف وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو سخت بزدل ہوتے ہیں ۔ بہادر آدمی اس طرح کے حالات میں صرف دو ہی راہیں اختیار کرتا ہے ۔ اگر اسے اپنے عقائد و نظریات پر جزم ہوتا ہے تو ان پر ڈٹ جاتا ہے، اسے اس بات کا کچھ فکر نہیں ہوتا کہ وہ کن سے کٹ رہا ہے اور کن سے جڑ رہا ہے اور اگر اس پر اپنے نظریات و عقائد کی غلطی واضح ہو جاتی ہے تو برملا اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا ہے ۔ اس امر کی اسے ذرا پروا نہیں ہوتی کہ دوست اور دشمن اسے کیا کہیں گے ۔ یہ روش صرف بے کردار لوگ اختیار کرتے ہیں کہ دعوے تو خم ٹھونک کے

کرتے ہیں لیکن جب کسی سخت قسم کی گرفت میں آجاتے ہیں تو لوگوں کی آنکھوں میں تاویلات کی دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری ساری باتوں کو اس وقت ایک طرف رکھئے، یہ بتایئے کہ آپ حضرات رسول اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ایک حجت شرعی ہونے کے منکر ہیں یا نہیں، اور حضورؐ کے احکام و ہدایات کو وقتی اور ہنگامی احکام کا درجہ دیتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے (اور اثبات کے سوا آپ کس شکل میں اس کا جواب دے سکتے ہیں؟) تو میں صاف کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دوسرے لفظوں میں انکار ہے۔ قادیانی حضرات نے ختم رسالت کا انکار کرکے رسالت کا انکار کیا۔ آپ حضرات نے سنت کا انکار کرکے۔ راستے دونوں کے بظاہر دو ہیں۔ لیکن منزل ایک ہی ہے۔ آخر جو باتیں آپ لوگوں نے اتنے شد و مد سے کہی ہیں ان کی تاویل کس کس طرح سے کریں گے اور ان تاویلات بارد سے فائدہ کیا؟ اس طرح کی تاویلات کس کو مطمئن کر سکیں گی۔ میں سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے پرویز صاحب سے کبھی کوئی پرخاش نہیں ہوئی۔ پہلے ان کے ساتھ میرے دوستانہ مراسم رہ چکے ہیں، مجھے اب بھی ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکے دل و دماغ کو بدل دے اور ان کے زبان و قلم سے اسلام کی خدمت لے۔ لیکن ان کے بارے میں اپنے ان ہمدردانہ جذبات کے باوجود میں یہ امر واقعی بھی واضح کئے دیتا ہوں کہ میں نے جب جب انکی کوئی تحریر پڑھی ہے (اور اب ایک رسالہ کے ایڈیٹر ہونے کے سبب سے مجھے اکثر ان کی تحریریں طوعاً یا کرہاً پڑھنی پڑتی ہیں) تو میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گو بظاہر وہ صرف حدیث کے منکر ہیں لیکن حقیقت میں وہ رسالت کے منکر ہیں۔ جو شخص سنت کا منکر ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا رسالت پر ایمان کیا معنی رکھتا ہے؟ قرآن قرآن وہ بہت پکارتے ہیں لیکن ان کے ہاتھوں قرآن حدیث سے بھی زیادہ مظلوم ہے۔ انہوں نے عربی لغت اور عربی گرامر سب اپنے گھر میں بیٹھ کر گھڑی ہے۔ ہر قاعدہ اور ہر ضابطہ سے بے نیاز ہو کر مجرد اپنی خواہشات کے تحت تاویل کرنے کے معاملہ میں ان سے زیادہ بے باک آدمی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ قادیانی حضرات تو کس گنتی میں ہیں۔ انہوں تو اکثر معاملات میں اپنے ڈانڈے باطنیہ سے ملا دیئے ہیں۔

ان وجوہ سے ہمارے نزدیک ان دوستوں کی یہ کوشش تو بالکل فضول ہے کہ خرافات کے

اس مزبلہ پر تاویل کے پردے ڈالیں۔ البتہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس کو بالکل دفن کر دیں اور از سرِ نو ایمان و اسلام کی صحیح خدمت کا آغاز کریں۔

ہم ان دوستوں کو یہ مشورہ بھی دیں گے کہ وہ اپنے ذہنوں سے یہ مغالطہ بالکل نکال دیں کہ تکفیر کے فتووں سے آدمی ملت کا ہیرو بن جایا کرتا ہے۔ سرسید وغیرہ جن کا پرویز صاحب نے حوالہ دیا ہے تکفیر کے فتووں سے ہیرو نہیں بنے۔ بلکہ اپنی شاندار قومی خدمات کے سبب سے ہیرو بنے۔ دینی معاملات میں ان سے جو بے اعتدالیاں ہوئیں وہ ہرگز کسی فتنہ پروری اور فرقہ سازی کے شوق میں نہیں ہوئیں، بلکہ محض حمایت اسلام کے جوش میں صادر ہوئیں۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا، پورے اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی حمایت و مدافعت میں لکھا۔ لیکن چونکہ ان کو دین کا پورا علم نہیں تھا اس وجہ سے انہوں نے اس راہ میں بہت سی ٹھوکریں بھی کھائیں۔ جن پر کچھ علماء نے ان کی تکفیر کی۔ لیکن مسلمانوں کی حمایت میں چونکہ ان کی خدمات نہایت شاندار تھیں، ان کا خلوص ہر شبہ سے بالاتر تھا، ان کی ساری زندگی قوم کے لئے ایثار و قربانی کا ایک مرقع تھی۔ اس وجہ سے محتاط طبائع پر ان کی تکفیر شاق گذری، تاہم ان کے مخصوص مذہبی نظریات کو تھوڑے سے مغرب زدہ بے خبروں کے سوا کسی نے قبول نہیں کیا۔

اب موازنہ کیجئے کہ کجا سرسید اور کجا پرویز صاحب۔ پہاڑ اور گلہری میں کیا نسبت۔ ان کے صحیفہ اعمال میں بجز اس کے کہ کتاب فروشی کی، انکار سنت اور انکار رسالت کا فتنہ اٹھایا، دین باطنیہ کی تبلیغ کی، کچھ بے خبر مسلمانوں کو گمراہ کیا، اور کون سا کارنامہ درج ہے۔ لیکن اپنی ذات کے ساتھ حسن ظن ملاحظہ ہو کہ محض اس دلیل سے اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا یہ ہیرو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کفر کے فتوے ابوحنیفہ، احمد بن حنبل اور اسمٰعیل شہید پر بھی لگ چکے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ہر کشتۂ تیغ حسینؓ بن جاتا ہے، اگرچہ اس کا سر چوری اور ڈکیتی ہی کی راہ میں قلم کیا جائے۔ یہ عجیب و غریب منطق قادیانی حضرات بھی بہت استعمال کرتے ہیں اور ہمیں ان حضرات کی اس بوالفضولی پر ہمیشہ ہنسی آتی ہے۔

درازدستیٔ ایں کوتہ آستیناں بیں

پرویز صاحب نے مختلف گروہوں کے علماء کے ایک دوسرے کے خلاف فتووں کا جو ریکارڈ شائع کیا ہے، یہ بھی ان کے حق میں کچھ سود مند نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مختلف مسلکوں کے غالی مولویوں نے گروہی تعصبات و نزاعات کے جوش میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے دے ڈالے ہیں۔ لیکن اس سے اس فتوے کی اہمیت ذرا کم نہیں ہوتی جو انہوں نے پرویز صاحب کے خلاف دیا ہے۔ کچھ بریلویوں کا دیوبندیوں کے خلاف یا کچھ دیوبندیوں کا بریلویوں کے خلاف کوئی فتوے دے دینا الگ چیز ہے اور کم و بیش ایک ہزار علما کا، جن میں مسلمانوں کے ہر مسلک فقہی و کلامی کے علما شامل ہیں، پرویز صاحب کے کفر پر اجماع کر لینا ایک مختلف چیز ہے۔ اس قسم کا اجماع قادیانیوں کے سوا کسی کے کفر پر بھی اس ملک میں نہیں ہوا ہے۔ اس وجہ سے ہم پرویز صاحب اور ان کے ساتھیوں کو نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس معاملہ کی نزاکت پر نہایت سنجیدگی سے غور کریں، یہ نہ خیال کریں کہ اس دور کفر پرستی میں کوئی ان کا کیا بگاڑ لے گا بگاڑ تو بیشک کوئی ان کا کچھ نہیں لے گا۔ لیکن یہ پیشگوئی ہم کئے دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے دانشمندی کے بجائے ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا تو وہ قادیانیوں کی طرح مسلمانوں کے سواد اعظم سے بالکل کٹ جائیں گے اور یہ بات ہمارے لئے بھی غم انگیز ہوگی اور ان کے لئے بھی نہایت افسوسناک ہوگی۔

آخر میں ہم یہ بات بھی واضح کئے دیتے ہیں کہ پاک و ہند کے جن علماء نے اس فتوے پر دستخط ثبت نہیں ہیں، ان کو اس فتوے سے الگ خیال کرنا محض ایک مغالطہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کئے ہیں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ فتووں پر دستخط کرنا ان کے رجحان طبیعت اور ذوق کے خلاف ہے یا یہ ہے کہ اس دور میں اس چیز کو وہ کچھ زیادہ مفید نہیں پاتے ہیں۔ میرے جیسے لوگوں کے لئے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ فتوے لکھنا یا اس پر دستخط کرنا میں نے اپنے منصب سے ہمیشہ ایک اونچی چیز سمجھا ہے لیکن یہ بات کہنے میں مجھے ذرا حجاب نہیں کہ پرویز صاحب کے خیالات و عقائد کو میں نے ہمیشہ کفر و ضلالت سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ زندگی کا صحیح رُخ اختیار کریں اور دین سے ناواقفوں کے لئے فتنہ نہ بنیں۔

۳

لکھنؤ سے ایک ہفت روزہ "ندائے ملت" کے نام سے نکلا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا عتیق الرحمٰن اور اس کے نگران مولانا ابوالحسن علی اور مولانا محمد منظور نعمانی ہیں۔ یہ اخبار اپنی خصوصیت واہمیت کے اعتبار سے اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا ذکر ان صفحات میں کیا جائے۔

تقسیم کے بعد سے بھارت کے مسلمان جس دور مظلومیت سے گذر رہے ہیں، اس کا سب سے زیادہ تاریک پہلو کچھ عرصہ سے یہ نظر آ رہا تھا کہ جو لوگ وہاں مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت کے پوزیشن میں ہیں وہ خود بالکل حیرت اور سراسیمگی کی تاریکی میں گھرے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ جس کسی کی بھی کوئی چیز ہم نے پڑھی، یہی محسوس کیا کہ اس کے آگے بالکل اندھیرا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ خود کدھر جائے اور کدھر مسلمانوں کو جانے کی دعوت دے۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ خالص اسلامی قیادت اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے عزم و جزم کے ساتھ کام کر رہے تھے ان کو بھی حالات کی بے مہری نے "پس چہ باید کرد" کے مقام حیرت و یاس پر لے جا کر کھڑا کر دیا تھا۔ یہ صورت حال ہمارے لئے نہایت پریشانی اور غم کا باعث تھی۔ قوموں کی زندگی میں سخت سے سخت دور بھی آ کے گذر جاتے ہیں، اور قوم زندہ رہ جاتی ہے بشرطیکہ مشکلات کے اندر اسکے لیڈروں کی سوجھ بوجھ اور انکا عزم و حوصلہ شکست نہ کھا جائے لیکن جب سوجھ بوجھ جواب دے جائے، کسی کے سامنے کوئی روشنی ہی باقی نہ رہ جائے تو پھر اس قوم کا زندہ باقی رہنا محال ہو جاتا ہے

ہم بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں کے مستقبل سے متعلق اسی تشویش اور روحانی اضطراب میں مبتلا تھے کہ ایک روز بھارت کی ڈاک سے یہ اخبار موصول ہوا۔ ہم نے امید و بیم کی ایک خاص کیفیت کے ساتھ اس اخبار کی سطر سطر پڑھی اور پڑھنے کے بعد محسوس کیا کہ ہمارے دل پر غم و الم کا جو بوجھ تھا اُتر گیا ہے اور رگ رگ میں زندگی اور امید کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اب تک اس اخبار کے چار شمارے نکل چکے ہیں اور ہر شمارہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہے اس کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے "الہلال" مرحوم کی یاد تازہ کر دی ہے۔ وہ کچھ زیادہ مبالغہ سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے متعلق سنا ہے کہ ان کو ہفتہ بھر الہلال کا انتظار رہتا تھا۔ جب وہ آ جاتا تو اس کو مطالعہ کرنے کے بعد سامنے اپنے میز پر رکھ لیتے اور اس وقت تک اس کو میز سے اٹھانے کی اجازت نہ دیتے جب تک اس کے بعد کا نمبر ان کے میز پر اس کی جگہ لے لینے کے لئے

نہ آجاتا۔ کچھ یہی معاملہ ندائے ملت کے ساتھ ہمارا ہے

اس اخبار کی سطر سطر سے ایمان کو غذا، روح کو تقویت، فکر کو رہنمائی اور عزم و حوصلہ کو ایک حیات تازہ ملتی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے لئے بھارت کا مظلوم مسلمان اس وقت سخت محتاج تھا اس اخبار کے بانیوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس بنیاد کو پالیا ہے جس پر بھارت کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تشکیل و تعمیر ہونی چاہیئے۔ اس وجہ سے اس کی دعوت ابتدا سے بالکل صحیح رُخ پر ہے اس دعوت میں مسلمانوں کے دین، مسلمانوں کی تہذیب اور مسلمانوں کی عالمگیر برادری کے جو حقوق و مطالبات ہیں، ان کا بھی پوری جرأت اور پورے اعتماد کے ساتھ اظہار و اعلان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی ہندوستانی قومیت کے جو حقوق و واجبات بھارت کے مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں کھلے دل کے ساتھ ان کا بھی اعتراف کیا جا رہا ہے۔ البتہ جو چیزیں ہندو اکثریت کسی عقلی و فطری دلیل کے بغیر ان واجبات کی فہرست میں شامل کرنے پر مصر ہے ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور یہ انکار ایسی مومنانہ عزیمت اور صاف گوئی کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ پڑھ کر روح وجد میں آجاتی ہے۔

ہمیں یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ یہ اخبار بڑی تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اسکی مقبولیت میں اضافہ فرمائے اور اس کو نظر بد سے محفوظ رکھے، جن لوگوں نے ملت عزیز کو زندہ کرنے کے لئے یہ بازی کھیلی ہے ان کی درازی عمر کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں اپنی زندگی کے جو دن باقی ہیں، اگر وہ کچھ قدر و قیمت رکھتے ہیں تو رب کریم ان کو بھی مولانا علی میاں اور مولانا نعمانی کی عمروں کے ساتھ جوڑ دے کہ ان کے پاکیزہ ہاتھوں سے یہ ملت مظلوم کی نذر ہو جائیں۔

اس اخبار کا سالانہ چندہ ہندوستان کے لئے دس اور پاکستان کے لئے گیارہ روپے ہے۔ جو لوگ خریدنا چاہیں، وہ ہفت روزہ "ندائے ملت" لکھنؤ کے پتہ پر فرمائش کریں۔ اور ہم ہر دردمند مسلمان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کو ضرور خریدے گا۔

تدبر قرآن
ایمن احسن اصلاحی

تفسیر سورہ بقرہ

(۲۵)

۴۹۔ نسخ کی حقیقت اور اس کی ضرورت

اس مجموعہ آیات کی تمام اہم تعلیمات کی طرف ہم آیات کی وضاحت کے ضمن میں اشارہ کرتے آئے ہیں، غور سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے وہ کافی ہے، البتہ نسخ کا مسئلہ جو آیت ۱۰۶ میں بیان ہوا ہے وہ مزید وضاحت کا محتاج ہے، ہم اس کے بعض اہم پہلوؤں پر یہاں روشنی ڈالیں گے اور اس سلسلہ میں استاذ امام مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر سے بھی استفادہ کریں گے۔

اوپر نسخ سے متعلق جو آیت گذری ہے، اس پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے۔ فرمایا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (جو آیت (حکم) بھی ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کو نظر انداز کرانے ہیں اس سے بہتر یا اس کے مانند دوسری لاتے ہیں) سیاق و سباق اور نظم کلام کی روشنی میں ہم سے اس آیت کا تعلق صرف ادیان سابقہ سے مانا ہے۔ اہل کتاب نے یہ اعتراض جو اٹھایا تھا کہ قرآن جب ہماری کتابوں کو آسمانی تسلیم کرتا ہے تو اُن کی تعلیمات کو منسوخ کیوں کرتا ہے۔ قرآن نے یہ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اب آیئے اس جواب کی نوعیت پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ یہ ہر پہلو سے معقول اور اطمینان بخش ہے یا نہیں۔ آیت پر تدبر کرنے سے جواب کے دو پہلو واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ یہ نسخ خوب سے خوبتر کی طرف عروج اور ترقی کے نقطۂ نظر سے ہے۔ بالفاظ دیگر یہ اللہ تعالیٰ کے اُس وعدے کی تکمیل ہے جو اُس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا تھا کہ وہ اپنا آخری نبی بھیجے گا جو اللہ کی شریعت کو کامل کرے گا، تمام طیبات کو حلال کرے گا تمام خباثت کو حرام

ٹھہرائے گا اور لوگوں کو ان بہت سی پابندیوں سے آزاد کرے گا، جو اس وقت ان پر ہیں ۔

اس حقیقت کو واضح طور پر ذہن نشین کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھئے

الف - یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی اس نقطۂ کمال تک پہنچی ہے جس نقطۂ کمال پر وہ قرآن حکیم میں نظر آتی ہے۔ اس تدریجی ترقی کے لئے جو چیز مقتضی ہوئی ہے وہ انسان کی فطرت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ تدریجی تربیت ہی کے ذریعہ سے اس مقام تک پہنچ سکتا تھا جس مقام پر پہنچ کر وہ خدا کے دین کامل کا اہل بن سکتا ہے ۔ اس مقام پر پہنچنے سے پہلے تک اس کو جو دین ملا وہ بنیادی طور پر تھا تو اسلام ہی لیکن اپنی ظاہری شکل وصورت یا بالفاظ دیگر اپنی شریعت کے اعتبار سے بہت کچھ انہی سانچوں پر ڈھلا ہوا تھا جو سانچے اس عہد کے ذہنی عقلی اور اجتماعی وتمدنی تقاضوں سے مناسبت رکھتے تھے تدریجی تربیت کے ذریعہ سے جب اس کی فطرت کے تمام مضمرات واضح ہو گئے اور اس کی عقلی بلوغ کو پہنچ گئی، محسوسات و رسوم کی قیدوں اور قومی وقبائلی تنگنائیوں سے آزاد ہو کر اس نے سوچنا سمجھنا شروع کیا ۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام اس شکل وصورت اور اس شریعت کے لباس میں دیا جو ٹھیک ٹھیک اس کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے ۔ کوئی چیز نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ ۔ یہ ترقی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ پچھلی شریعتوں کی بہت سی چیزیں بدلیں اور اسلام میں وہ اپنی ان شکلوں میں نمودار ہوں جو ان کی بالکل معیاری اور فطری شکلیں ہیں ۔

ب - تورات کے بہت سے احکام کی ظاہری شکل بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ جس وقت نازل ہوئے تھے خام حالت میں تھے، ان کو پختہ ہونے کے لیے کسی اور فصل وموسم کا انتظار تھا ۔ اسلام کے ظہور نے ان کے لئے وہ منتظر موسم فراہم کیا اور وہ پختگی کو پہنچے ۔ مثلاً شراب ان کے ہاں صرف عبادت خانہ کے ذمہ داروں کے لیے حرام تھی ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ یہ چیز تقویٰ وطہارت کے منافی ہے اور ایک دن آئے گا کہ یہ سب کے لئے حرام ہو کے رہے گی ۔ چنانچہ اسلام نے اس کی حرمت کے سلسلہ میں پہلا قدم اس مقام سے اٹھایا کہ نماز کے اوقات میں اس کو حرام ٹھہرایا ۔ پھر بتدریج اس کو بالکل حرام کر دیا روایات بلکہ قرآن کے اشارات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر جو لوگ زیادہ ذہین اور روح دین کے ذوق آشنا تھے وہ پہلا ہی حکم سن کر ہوا کا رخ پہچان گئے اور اسی وقت سے وہ شراب سے بالکل تائب ہو گئے ۔ اسی طرح کھانے پینے

کی دوسری چیزوں کی حلت و حرمت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں یا تو بنی اسرائیل کے خاص قومی ذوق کے تحت ان کے لئے حرام ٹھہرائی گئیں، یا ان کے بیجا قسم کے سوالات کی سزا کے طور پر مثلاً اونٹ یا ذبیحہ کے بعض حصوں کی چربی یہ حرمتیں اپنی ہیئت ہی سے ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ عارضی اور وقتی ہیں، ایک دن آئے گا کہ اس قسم کی تمام پابندیاں فطرت انسانی کے منافی ہونے کے سبب سے اُٹھ جائینگی۔ چنانچہ دین فطرت نے الیوم احل لکم الطیبات (اب تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں) کا عام اعلان کرکے اس قسم کی تمام پابندیوں کو منسوخ کر دیا۔ تورات سے اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن مقصود یہاں تفصیل نہیں بلکہ ایک حقیقت کی طرف صرف اشارہ ہے۔

ج تکمیل و ترقی کی اس ضرورت کی طرف حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے نہایت غیر مبہم الفاظ میں اشارہ بھی فرمایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

"خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو اپنے خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سُنے تو میں ان کا محاسب اس سے ہوں گا۔ (تثنیہ ۱۸ = ۱۵-۲۰)

ان آیات میں جہاں ایک طرف نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا صریح الفاظ میں وعدہ ہے وہیں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ دین کی تکمیل آپ ہی کے ذریعہ سے ہوگی، حورب کے مقام میں بنی اسرائیل نے خود اس امر کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ اب مزید شریعت کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت اپنے اندر نہیں پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراف ضعف کی تحسین فرمائی اور وعدہ فرمایا کہ وہ ان کے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰؑ کی مانند ایک دوسرا نبی برپا کرے گا اور اس کے ذریعہ

سے اپنے دین کی تکمیل فرمائے گا۔

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا۔ ملاحظہ ہو:۔

مگر اب میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ میں نے تم سے یہ باتیں کہیں تمہارا دل غم سے بھر گیا۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ آکر دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راستبازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا' اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

ان آیات میں "مددگار" اور "سچائی کا رُوح" یا بعض دوسرے ترجموں میں "معزی" اور "وکیل" کے الفاظ جو وارد ہوئے ہیں، ان کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ حضورؐ ہی کے اوپر یہ بات منطبق ہو سکتی ہے کہ "وہ تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا" اور حضورؐ ہی کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ "وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا لیکن جو کچھ سنیگا وہی کہے گا"۔ بعینہٖ یہی بات قرآن مجید میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ (وہ یہ اپنے جی سے نہیں کہتا بلکہ یہ وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ پیشینگوئی فرمائی کہ نبی موعود ہی وہی کچھ کہے گا جو خداوند خدا اس کے مُنہ میں ڈالے گا اور جو خبر وہ دے گا اس میں وہ سچا ٹھہرے گا۔

تورات اور انجیل کی انہی پیشینگوئیوں کی طرف سورہ اعراف کی مندرجہ ذیل آیتوں میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهِۦ مَنْ أَشَآءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَـٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَـٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَـٰلَ ٱلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝

(۱۵۶ — ۱۵۵)

فرمایا کہ رہا میرا عذاب تو میں اس کو نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر محیط ہے۔ سو میں اس کو لکھ رکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو مجھ سے ڈرتے رہیں گے، زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔ یعنی جو پیروی کریں گے اس رسول اور نبی اُمی کی جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں، وہ ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے بُرائی سے اور ان کے لئے جائز کرتا ہے تمام پاکیزہ چیزوں کو اور حرام ٹھہراتا ہے ناپاک چیزوں کو، اور ان سے دور کرتا ہے ان کے بوجھ اور ان پابندیوں کو جو ان پر پہلے سے تھیں پس جو ایمان لائے اس پر اور جنہوں نے اس کی تائید اور مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی، جو اس کے ساتھ اُتاری گئی، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۲) جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ نسخ تجدید و احیائے دین کے تقاضے کے تحت ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جو شریعت ملی تھی اس کے کچھ حصہ کو جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے، انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ اس فراموش کردہ حصہ میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ضروری ٹھہرایا اس دین کامل کے ذریعہ سے اس کی تجدید فرما دی تاکہ دین کے خزانہ سے جو دولت پاسبانوں کی غفلت اور نالائقی سے ضائع ہو گئی تھی، وہ از سر نو محفوظ ہو جائے اور اگر اس کے کسی حصہ کو حکمت الٰہی نے ضروری نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہوا کہ اس حصہ کو نظر انداز کر دیا جائے

تو اس کی جگہ اس کے ہم پایہ و ہم مرتبہ دوسرے احکام عنایت فرمائے۔

یہاں انساء کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ فراموش کرا دینے کے معنی میں ہے آیت زیر بحث میں اللہ تعالےٰ نے اس فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، یہ نسبت اسی طرح کی ہے جس طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا ہے فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم (جب وہ کج ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے دل کج کر دیئے) یہ اسلوب بیان اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ اپنے قانون حکمت کے مطابق کیا اور اس لئے کیا کہ وہ اپنی شریعت کے معاملہ میں اپنی بے پروائی کے سبب سے اسی چیز کے مستحق تھے۔ لیکن چونکہ شریعت الٰہی تمام انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے اس وجہ سے جس طرح اسکے وقتی احکام کی اسلام کے دائمی اور اعلےٰ احکام کے ذریعہ سے تکمیل کی گئی، اسی طرح اسکے فراموش کردہ اور ضائع شدہ احکام کی ان کے مماثل احکام کے ذریعہ سے قرآن میں تجدید کی گئی۔

(۳) نسخ کی یہ ضرورت تکمیل دین اور تجدید شریعت کے پہلو سے بیان ہوئی اور یہ ایسی واضح ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے لئے اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی، لیکن قرآن مجید نے نسخ کے صرف انہی دو پہلوؤں کے بیان پر اکتفا نہیں فرمایا ہے، بلکہ ایک تیسرے پہلو سے بھی اس کی ضرورت بیان فرمائی ہے۔ یہ پہلو دین و شریعت کی تطہیر کا پہلو ہے، یعنی اللہ تعالےٰ کی کتاب اور اس کی شریعت کو ان بدعتوں اور ملاوٹوں سے پاک کرنا جو اہل بدعت اور خواہش پرستوں نے ان میں ملا دی ہوں۔ اس کا ذکر سورہ حج کی اس آیت میں ہوا ہے جس کا حوالہ ہم اوپر دے آئے ہیں۔ فرمایا ہے فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ (پس اللہ مٹا دیتا ہے اس چیز کو جو شیطان داخل کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے)

اس پہلو سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ نسخ رد بدعات اور ابطال باطل کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اشرار و مفسدین نے آسمانی صحیفوں اور الٰہی شریعتوں میں جو بدعتیں اور من گھڑت چیزیں ملائیں، انبیاء علیہم السلام نے ان سے دین کو پاک و صاف کیا اور اس کی اصل تعلیمات کو از سر نو زندہ کر کے ان کو قائم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان کی اکثریت انہی انبیاء پر مشتمل تھی جو کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے۔ بلکہ ان میں سے بیشتر کا مشن صرف یہی تھا کہ وہ پہلے سے نازل شدہ شریعت کو بدعتوں اور تحریفات سے پاک کر کے

اس کو اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں۔ اس اُمت میں یہ خدمت اللہ و رسول کی طرف سے علماء کے سپرد کی گئی ہے کہ وہ برابر دین کو بدعات و تحریفات سے پاک کرتے اور اُمت کو کتاب و سنت کی طرف لوٹاتے رہیں۔

پچھلی شریعتوں میں اس قسم کے جو اضافے کئے گئے اور اسلام نے جن کو منسوخ کر کے ان کی اصل حقیقت پیش کی یہاں ہم ان کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں تاکہ اس پہلو سے نسخ کی جو ضرورت و اہمیت ہے، وہ اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

عقاید و ایمانیات کے باب میں یہود اور نصاریٰ نے جس قسم کی لغویات کا اضافہ کیا اور قرآن نے جن کی اصلاح کی ان میں سے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تین کا تیسرا ہے یا مثلاً یہ کہ یہود اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے تکان ہو گئی اس وجہ سے اس نے ہفتہ کے دن آرام فرمایا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بات کا اقرار لے رکھا ہے کہ جبتک کوئی نبی وہ قربانی پیش نہ کرے جس کو کھانے کے لئے آسمان سے آگ اُترے اس وقت تک وہ اس پر ایمان نہ لائیں یا یہ کہ موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ میں برص کی بیماری تھی —— قرآن مجید نے اس قسم کی تمام باتوں کی تردید کر کے اصل حقائق واضح فرمائے۔

اسی طرح یہود نے اپنی بدکارانہ زندگی کو جائز ٹھہرانے کے لئے اکثر انبیاء علیہم السلام سے متعلق نہایت بیہودہ قسم کی روایات اپنے صحیفوں میں شامل کر دیں جو ان کے اخلاق کو بالکل مجروح کر دینے والی تھیں۔ قرآن مجید نے ان انبیاء کو اس قسم کے تمام اتہامات سے بری کر کے انکی زندگیوں کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کیا۔

اعمال کے باب میں ان لوگوں نے جس قسم کی بدعتیں کیں ان کی بعض مثالیں اس سورہ میں گذر چکی ہیں اور بعض کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ مثلاً ان کا وہ رویہ جو انہوں نے اپنی قوم کے قیدیوں کے بارہ میں اختیار کیا، یا جو روش انہوں نے سود کے معاملہ میں اختیار کی۔ نصاریٰ نے خنزیر اور گردن مروڑے ہوئے جانور کو جائز کر لیا۔

اسی طرح ان لوگوں نے تاریخ اور واقعات کو بھی بالکل مسخ کر کے اپنی خواہشات کے رنگ میں پیش کیا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور خانہ کعبہ کی تاریخ کے اکثر حصہ پر پردہ ڈال دیا گیا تاکہ

حضرت ابراہیمؑ کا تعلق بیت اللہ سے ثابت نہ ہو سکے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشینگوئیوں کو مسخ کیا جا سکے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہ سے متعلق بیانات میں بھی اسی مقصد کے تحت بہت سے تصرفات کئے گئے۔ قرآن مجید نے ان تمام تحریفات کا پردہ چاک کیا اور اصل حقائق بے نقاب کئے۔ استاذ امامؒ نے رسالہ ذبیح میں ان چیزوں پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ آگے ہم بھی مناسب مواقع سے بعض مفید باتوں کی طرف اشارے کریں گے۔

شریعت اسلامی میں نسخ کی نوعیت

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سورہ بقرہ کی زیر بحث آیت کا تعلق تمام تر ادیان سابقہ سے ہے اور اس میں جس نسخ کا حوالہ ہے اس کی ضرورت اور اسکی حکمت اس قدر واضح ہے کہ کسی انصاف پسند کے لئے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ اسلامی شریعت میں بھی نسخ ہے یا نہیں تو اس بارے میں ہمارے یہاں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو نہ صرف نسخ کے قائل ہیں، بلکہ اس کو بہت زیادہ وسعت دیتے ہیں، دوسرا گروہ اس کا یکقلم منکر ہے۔ تیسرا گروہ اس کا قائل تو ہے لیکن اس کو صرف چند احکامات تک محدود مانتا ہے۔

ان میں سے پہلے گروہ نے اس کے دائرے کو جو بہت زیادہ وسعت دی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک نسخ کا ایک خاص مفہوم ہے۔ یہ لوگ ان تمام مواقع میں بھی نسخ مان لیتے ہیں جہاں کوئی بات کسی عام کو خاص یا خاص کو عام کر رہی ہو یا کسی اجمال کو تفصیل کا رنگ دے رہی ہو، حالانکہ اس طرح کے مواقع میں نسخ ماننے سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ عام و خاص اور مجمل و مفصل کے درمیان توفیق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ توفیق نہایت آسانی کے ساتھ پیدا کی جا سکتی ہے۔

جو گروہ نسخ کا یکقلم منکر ہے اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام حالات کے تابع ہیں، جو احکام منسوخ ہوئے ہیں، وہ صرف اس وجہ سے منسوخ ہوئے ہیں کہ جن حالات کے اندر وہ نازل ہوئے تھے۔ وہ حالات تبدیل ہو گئے۔ اب اگر وہی حالات دوبارہ پلٹ آئیں تو وہ احکام بھی از سر نو بحال ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے جو احکام بظاہر منسوخ ہیں۔ وہ فی الحقیقت منسوخ نہیں ہیں۔

بلکہ اپنے مخصوص حالات کے اندر بدستور قائم و زندہ ہیں، یہ گروہ اپنے نقطۂ نظر کی حمایت میں یہ بات بھی پیش کرتا ہے کہ اسلامی شریعت کا ارتقاء بالتدریج نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے۔ اس وجہ سے جب حالات اس بات کے متقضی ہو جائیں کہ نرمی کی طرف پلٹا جائے تو یہ پلٹنا اسلامی شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہوگا۔

ہمارے نزدیک اس رائے میں متعدد غلطیاں ہیں۔

اول تو بجائے خود یہ دعوے ہی بالکل بے بنیاد ہے کہ اول اول شریعت ہلکی تھی، بعد میں یہ سخت ہوئی ہے۔ قرآن مجید پر غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض احکام میں اس کا ارتقا اگر نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے مثلاً تحریم شراب اور حکم صیام وغیرہ۔ تو بعض احکام میں سختی سے نرمی کی طرف بھی ہوا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ اللیل اور تعداد منفاقلین کے معاملہ میں۔ اس وجہ سے یہ فارمولا بنا کر کہ شریعت کا ارتقا نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے نسخ کے بارے میں کوئی نتیجہ نکال لینا مغالطہ سے محفوظ نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور ہمارے دور میں جو فرق ہے اس کو اس میں ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلامی شریعت کی دنیا کو دعوت دی ہے اس وقت اسلام کی تعلیمات لوگوں کے لئے بالکل اوپری اور انوکھی تھیں۔ آپؐ کے صحابہؓ کی تعداد بہت تھوڑی تھی، لوگ جاہلی رسوم و عادات کے اتنے خوگر تھے کہ ان سے ان کے لئے نکلنا آسان نہ تھا۔ برعکس اس کے اس زمانہ میں حالات اس سے بہت مختلف ہیں۔ دنیا میں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اسلامی احکام و قوانین لوگوں کے لئے کوئی نامانوس اور اجنبی چیز نہیں ہیں، اس وجہ سے اس زمانہ کو اس زمانہ پر قیاس کر کے ایک کے احکام کو دوسرے پر منطبق کرنا ہمارے خیال میں کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

تیسری یہ کہ اگر حالات کی تبدیلی کے بہانے شریعت کے منسوخات کی طرف پلٹنے کے جواز کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے فتنہ پسند طبائع کے لئے شریعت سے فرار کی ایک ایسی راہ کھل جاتی ہے جس کا بند کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس زمانے میں بڑی آسانی کے ساتھ اس دلیل کے سہارے روزہ، نماز، حرمت شراب اور حد زنا وغیرہ کے بارے میں سہولت پسند لوگ ایسے اجتہاد شروع کر دیں گے کہ دین کے معاملہ میں امان ہی اٹھ جائے گی۔ چنانچہ ماضی میں بھی گمراہ داعیوں کے ہاتھوں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اور آج بھی اس کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اسی چیز کی آڑ لے کر مبتدعین نے اپنے

پیروؤں کے لئے شریعت کی حرام کی ہوئی بہت سی چیزوں کو جائز ٹھہرا دیا، اور پھر ان کے اندر سے ان چیزوں کی حرمت کا احساس بھی رخصت ہو گیا۔

اس امر میں شبہ نہیں کہ بگڑے ہوئے ماحول میں بعض مرتبہ اچھے داعیان دین نے بھی نو واردوں اور نو مسلموں کیلئے شریعت کے بعض معاملات میں نرمی برتی ہے۔ لیکن اس نرمی کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی، کہ وہ حالات کی تبدیلی کے تحت شریعت کے منسوخات کے اختیار کرنے کے قائل تھے، بلکہ یہ اُس قسم کی ایک چشم پوشی اور مسامحت تھی جس قسم کی چشم پوشی بعض مرتبہ ارباب اصلاح و تربیت اپنے کمزور اور بگڑے ہوئے مریدوں اور شاگردوں کے کسی معاملہ میں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس نوع کی مسامحت حکیمانہ تربیت کا ایک جزو ہے۔ یہ اس توقع پر اختیار کی جاتی ہے کہ بالتدریج اس طرح کے خام لوگوں کی حالت صحبت اور تربیت سے اصلاح پذیر ہو جائیگی۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اکثر حالات میں یہ توقع پوری بھی ہوئی ہے۔ بشرطیکہ تربیت کرنے والے خود تقوٰے کی صفات سے متصف رہے ہیں، محض گندم نمائی اور جو فروشی کی دُکان نہیں چلاتے رہے۔ اس چیز کو اس امر پر محمول کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے کہ یہ لوگ حالات کی تبدیلی کے تحت محکمات شریعت کو چھوڑ کر منسوخات کے اختیارات کرنے کے قائل تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر ہم نسخ کے باب میں مذکورہ بالا دونوں مسلکوں کو کمزور سمجھتے ہیں۔ اب رہ گیا تیسرا مسلک یعنی ان لوگوں کا مسلک جو قرآن کی بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی مسلک صحیح ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ آیات کون کون سی ہیں، وہ کن آیات سے منسوخ ہوئی ہیں اور ان کے منسوخ ہونے کی علت کیا ہے تو ان سوالوں کے جواب دینے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر یہ بحثیں اللہ تعالےٰ نے چاہا تو آئینگی۔ یہاں صرف چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

ایک تو یہ کہ قرآن کا کوئی حکم اگر منسوخ ہوا ہے تو قرآن ہی سے منسوخ ہوا ہے اور یہ ناسخ و منسوخ دونوں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔ بعض فقہاء نے حدیث کو بھی قرآن کے لئے ناسخ مانا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں ہے، اس مسلک کا ضعف اس قدر واضح ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ اس نسخ کا تعلق تمام تر صرف احکام و قوانین سے ہے، عقاید و ایمانیات یا اخلاق وصفات یا واقعات و حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عقاید و ایمانیات اور واقعات و حقائق ایسی چیزیں نہیں ہیں جو آج کچھ ہوں اور کل کچھ اور بن جائیں لیکن احکام و قوانین میں اگر کوئی ترمیم اصلاح خود قانون کا دینے والا کر دے تو اس سے قانون کے مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس سے اصل مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

تیسری یہ کہ اس نسخ کی ضرورت اس وجہ سے نہیں پیش آئی کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص ہے جس کے سبب سے اس کے نازل کیے ہوئے قانون کو تجربات اور آزمائشوں کے مراحل سے گذرنا پڑا۔ بلکہ اس کی وجہ صرف بندوں کی بعض فطری خامیاں اور کمزوریاں ہیں، جن کے سبب سے وہ بسا اوقات کسی قانون کے قبول کرنے میں تدریج اور تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر غایت درجہ مہربان ہے اس وجہ سے اس نے یہ پسند فرمایا کہ وہ اپنے قانون میں اس تدریج و تربیت کو ملحوظ رکھے۔

یہ تدریج اور تربیت قرآن کے ناسخ اور منسوخ احکام پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، کہ مختلف تقاضوں کے تحت مختلف طرز عمل کی مقتضی ہوئی ہے۔ مثلاً

بعض حالات میں یہ اس بات کی مقتضی ہوئی ہے کہ معاشرہ کے ابتدائی حالات کے تقاضوں کی مناسبت سے کسی باب خاص میں کوئی عارضی حکم دیا جائے اور جب معاشرہ اپنے بلوغ کو پہنچ جائے تو اس عارضی حکم کو آخری اور کامل حکم سے بدل دیا جائے۔ مثلاً ابتداءً ورثہ کے حقوق کے تحفظ کیلئے وصیت کا حکم دیا گیا، بدکاری کے سدباب کے لئے پنچایتی قسم کی تعزیر کی ہدایت کی گئی، انصار و مہاجرین کی اخوت کو اخلاقی اخوت سے بڑھا کر قانونی اخوت کا درجہ دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو وراثت کے آخری اور حتمی قانون اور زنا کی معین اور قطعی حد نے ان عارضی قوانین کو منسوخ کر کے خود ان کی جگہ لے لی۔

بعض حالات میں یہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عام انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی قانون درجہ بدرجہ اپنی آخری حد پر پہنچے، مثلاً شراب چونکہ اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس وجہ سے ابتداءً یہ صرف نماز کے اوقات کے لئے حرام ہوئی، روزہ چونکہ عرب جیسے گرم ملک کے لئے

بڑی سخت چیز تھا اس وجہ سے شروع شروع میں اس کے ایام بھی کم رکھے گئے نیز سفر اور مرض کی صورت میں فدیہ دے دینے کی بھی گنجائش رکھی گئی۔ لیکن بعد میں جب طبائع کو ان چیزوں سے اُنس ہوگیا تو شراب کی قطعی حرمت کے حکم، ماہ رمضان کی تعداد کی تکمیل کی ہدایت اور فدیہ کی اجازت کی منسوخی نے ان ابواب میں بھی شریعت کو کامل کر دیا۔ ان احکام کے بعد صرف اضطرار کے تحت ایک محدود و مشروط اجازت باقی رہ گئی۔

بعض صورتوں میں اس کا اقتضا یہ بھی ہوا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ شریعت کے کسی حکم پر عمل کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک آزاد چھوڑ دیا گیا۔ لیکن بعد میں اس اجازت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اسلامی شریعت کا مستقل حکم دے دیا گیا۔ مثلاً قبلہ کے معاملہ میں۔ اس سے مقصود جیسا کہ قرآن میں واضح کیا گیا ہے مسلمانوں کا امتحان لینا تھا کہ کون خدا اور رسول کی وفاداری میں پختہ ہے اور کون اب تک اپنی پچھلی روایات کا اندھا پرستار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتحان تربیت ہی کا ایک جزو ہے۔

اسی طرح بعض حالات میں یہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ معاشرہ کی افرادی قوت کی کمی کی تلافی کے لئے وقتی طور پر بعض ایسے احکام بھی دیئے جائیں جو کیفیت کو بڑھانے والے اور قلت تعداد کی حالت میں زیادہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت پیدا کرنے والے ہوں۔ مثلاً ابتداءً عام مسلمانوں کو بھی تہجد کی پابندی کا حکم دیا گیا۔ میدان جہاد میں ایک کو دس کفار کا بدل مقابل قرار دیا گیا۔ جماعتی استحکام و تطہیر کے تقاضوں کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی رازدارانہ بات کرنے سے پہلے صدقہ کی ہدایت کی گئی جو بعد میں جب مسلمانوں کی افرادی قوت بڑھ گئی اور تطہیر جماعت کا وقتی مقصد حاصل ہوگیا تو ان چیزوں میں تخفیف کر کے ان کو اسی عام سطح پر کر دیا گیا جو پہلے سے ان کیلئے شریعت میں مقرر تھی۔

یہ ہم نے صرف بعض اصولی باتوں کی طرف اشارات کئے ہیں۔ یہاں پیش نظر تمام ناسخ و منسوخ آیات کا استقصا اور انکے مصالح کی وضاحت نہیں ہے۔ تفصیلی بحث منسوخ آیات کے تحت جیسا کہ عرض کیا گیا اپنے اپنے مقام میں آئیگی۔

اس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ خدا کی شریعت قرآن مجید میں اپنے ترقی و کمال کے آخری درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ اب اس کے بعد کسی نسخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس شریعت میں تمام احکام کے ساتھ مشکل اور مجبور کن حالات کے لئے رخصتیں اور رعائتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ اس وجہ سے حالات کی تبدیلی کے عذر پر منسوخ احکام کی طرف پلٹنے کے لئے بھی کوئی وجہ جواز باقی نہیں رہی۔ البتہ اہل بدعت کی پیدا کردہ ضلالتوں کے نسخ کا کام قیامت تک باقی رہے گا اور یہ کام اسلام میں علماء اور مصلحین کے سپرد ہے

افادات فراہی
جناب خالد مسعود صاحب

اصولِ تفسیر

(۲)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امورِ عالم کی نسبتوں کو نہ سمجھا جائے تو آدمی ان کی حکمتوں سے اندھیرے میں رہتا ہے۔ یہ چیز بعض اوقات خدائے مدبّر و دانا کے انکار کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جن لوگوں نے خارجی حوادث اور تاریخی واقعات پر غور نہ کیا، ان کی علتوں کو نہ سمجھا اور ذہنوں پر ان کے اثرات کا مطالعہ نہ کیا تو وہ ان کے فائدوں اور حکمتوں کو نہ پا سکے۔ یا تو وہ خدا کا مطلق انکار کر بیٹھے یا جبر کا فلسفہ بنا کر اور دُنیا کی بے مصلحتی کا یقین کر کے خدا کے انکار کے قریب جا پہنچے۔

اب جس طرح یہ ممکن ہے کہ آفاق و انفس پر تدبر کرنے والے اور نہ کرنے والے دو گروہ ہو سکتے ہیں اسی طرح یہ بھی ممکن تھا کہ کلام الٰہی کے معاملہ میں بھی اس طرح کے دو گروہ بن جاتے چنانچہ جن لوگوں نے آیات کے مفہوم کو سورہ کے اجزا کی مناسبت معلوم کئے بغیر سمجھنا چاہا ان پر کلام کی حکمت اور بلاغت و استدلال کے پہلو سے اس کا حسن نہ کھل سکا بلکہ جہاں کہیں ایک آیت کے زیادہ معانی کا احتمال ہوا وہاں یہ لوگ مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پا سکے ایسے مقامات پر غلط تاویل اختیار کرنے کے نتیجہ میں بعض اوقات ایک غلط رائے یا رجحان مذہب یا ایک فاسد عقیدہ پیدا ہو گیا۔ گویا تدبر نہ کرنے والا آدمی اوپر تلے کئی اندھیروں میں رہتا ہے۔ اس کا زیادہ سنگین بلکہ قبیح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنی فاسد تاویلات کے ذریعہ باطل پسندوں اور اہل بدعت کے لئے دروازے کھول دیتا ہے اور بعض اوقات محض رائے یا اس نفسانی خواہش کی بنا پر کہ لوگ اسے

دین کے حقائق اور اسرار کا محرم سمجھیں، یہ آدمی قرآن کی تاویل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص قرآن اور اس کے حکیمانہ نظام میں تدبر کرتا ہے وہ اس کے نظم کی خوبصورتی، اس کی بلاغت کے اعجاز اور اس کی دقیق حکمتوں سے واقف ہوتا ہے۔ اس پر معانی کے دروازے کھلتے ہیں۔ جس مقام پر کئی تاویلات ممکن ہوں، وہاں وہ ایک ہی صحیح تاویل کی طرف رہنمائی پاتا ہے۔ اس طرح وہ واضح حق کو اختیار کر رہا ہوتا ہے اور باطل کے شکنجے میں نہیں آنے پاتا۔

نظم قرآن کی دلالت

قرآن مجید اسلام و ایمان یعنی شرائع اور عقائد کی بنیاد ہے۔ فرمایا

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ ۵۳)

اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم کی روح وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے لیکن ہم نے اسے نور بنایا، جس کے ذریعہ ہم اسے ہدایت دیتے ہیں جسے اپنے بندوں میں سے دینا چاہیں اور تو سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے۔

پس جب قرآن دین کیساتھ پوری پوری مطابقت رکھتا ہے تو اسکے نظام میں غور و فکر گویا شرائع و عقائد میں غور و فکر کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح قرآن نے چونکہ اصولوں اور بنیادوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ جب تم اس میں تدبر کرو گے تو دراصل دین کی حکمت اور اس کے نظام امور کی طرف رہنمائی پاؤ گے

یہ بات مثال سے اس طرح سمجھو کہ قرآن نے اپنے نظم سے یہ بات واضح کی ہے کہ ایمان کی بنیاد شکر ہے۔ قرآن تمام شریعت کو اسی شکر کے تحت لاتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جو شخص کائنات میں رحمت، حکمت اور قدرت کی نشانیاں دیکھے وہ ان سے ایک رحیم و حکیم، قادر و عزیز اور عادل پروردگار کو پہچانتا ہے، پھر وہ اس کا شکر کرتا ہے۔ اس کی حمد کرتا ہے۔ اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اس کی نارانگی اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ جب یہ احساسات پیدا ہو جاتے ہیں تو اس آدمی کا جذبۂ ایمان و عبودیت متحقق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (نساء ۱۴۸) — اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم نے شکر کیا اور ایمان لائے اور اللہ قدر دان اور علم رکھنے والا ہے۔

یہاں دیکھو رب رحیم پر ایمان سے پہلے جذبۂ شکر پر دلالت فرمائی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا مقدمہ سورہ الحمد کو بنایا اور اسی سورہ کو نماز کی بنیاد اور شرائع و اسلام کا مقدمہ قرار دیا۔

مزید غور کرو تو شکر کے مظاہر و مواقع اگرچہ بیشمار معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے رکن دو ہیں —— ایک تحدیث نعمت اور خدائے منعم کی تحمید، دوسرے خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے نذر و قربانی —— گویا نماز کا دوسرا رخ خدا کی مخلوق کے ساتھ احسان کا سلوک اور نیک مقاصد کے لئے انفاق ٹھیرا اور زکوٰۃ سے انکار کفر سے اتنا ہی قریب سمجھا گیا جتنا کہ ترک نماز ہے۔ یہ حقیقت صحابہؓ میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے سمجھی اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے جہاد جائز سمجھا۔ ان کے استدلال کی ترتیب گویا یہ تھی کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، وہ از روئے شریعت ہم سے الگ ہیں اور ہمیں ان سے قتال کا حکم ہے۔ تو جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کے لئے بھی یہی حکم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ نماز کے ساتھ ہوا ہے۔ جب کتاب اللہ میں اس کی جگہ نماز کے بعد ہے تو لازماً یہی جگہ اس کی دین کے اندر بھی ہونی چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ حقیقت نظم قرآن ہی کی رعایت سے سمجھی۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کی تصریح فرمائی ہے۔ مرقس کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے توحید اور مخلوق کے ساتھ احسان کی وصیت کرنے کے بعد فرمایا: "ان دونوں سے بڑھ کر کوئی دوسرا حکم نہیں"۔ متی کی روایت میں یوں آتا ہے۔

> "خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دونوں کا حکم تاموس نے اور تمام انبیاءؑ نے دیا ہے"۔

قرآن مجید نے اپنے نظم اور نص کے ذریعہ بالکل اسی حقیقت پر دلالت کی ہے۔
یہ جاننے کے بعد کہ رب رحیم پر ایمان کی بنیاد شکر پر ہے۔ اگر تم صبر کی حقیقت پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ آخرت پر ایمان کی اساس ہے اور یہ دونوں ایمان کے رُکن ہیں۔ تیسرا رُکن ایمان بالرسالت ہے۔ اس کا تعلق ایک پہلو سے خدا کے ہادی اور رازق ہونے کی صفتوں کے ساتھ ہے اور دوسرے پہلو سے خدا کی صفات عدالت و حکمت سے یہ متعلق ہے۔

گویا اب یہ متعین ہوا کہ شکر اور صبر تمام شرائع اور اچھی خصلتوں کو محیط ہیں۔ دین کا مدار بھی شکر اور صبر ہی پر ہے۔ دین کی تمام تعلیمات انہی دونوں بُنیادوں پر تعمیر ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ، خضوع، والدین سے حسن سلوک اور ان کی اطاعت، قرابتداروں کی امداد اور مخلوقات سے احسان شکر سے متعلق ہیں اور روزہ، جہاد، عفت، بُردباری، فضولیات سے اجتناب، توکل، خشیت اور تقویٰ صبر سے متعلق ہیں۔ گویا شکر اور صبر اپنے اپنے لشکروں کے سردار ہیں۔

اب غور کرو گے تو قرآن مجید کے واقعات تمہیں صبر یا شکر ہی کی تعلیم دیں گے۔ مثلاً ایک موقعہ پر ارشاد ہے:۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ (ابراہیم) — اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لئے۔

ہمارا یہ تمام استنباط قرآن مجید کے نظم سے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تم آیات کے نظم، اس کے مطالب اور سورتوں پر اور ان کے عمود پر غور کرتے ہو تو اس سے شریعت اور احکام کا نظام سمجھ میں آتا ہے۔

علم نظام میں علماء کا حصّہ

یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ قرآن کے اندر نظم کی تلاش میں میں تنہا ہوں۔ مجھ سے پہلے علماء کی ایک جماعت نے اس راہ میں کوششیں کی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ اتقان میں لکھتے ہیں پہلے شخص جنہوں نے علم مناسبت (علم نظم) کو ظاہر کیا شیخ ابوبکر نیشاپوریؒ ہیں فقہ و ادب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔ ان کے لئے منبر رکھا جاتا جس پر بیٹھ کر وہ قرآن کی آیتوں

کی شرح کرتے اور بتاتے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی، اور فلاں سورہ کے فلاں سورہ کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے اور علمائے بغداد کی تنقیص کرتے کہ یہ لوگ علم نظم سے بالکل محروم ہیں۔"

علامہ سیوطیؒ نے ابن عربی کا بھی مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے:۔

"آیات قرآن کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں ایک عظیم الشان علم ہے۔ صرف ایک عالم نے اس علم سے تعرض کیا ہے۔ اسی اصُول پر اس نے پوری سورہ بقرہ کو منظم کر دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ہم پر یہ دروازہ کھولا، لیکن ہم نے لوگوں کے اندر اس علم کے قدردان نہیں پائے۔ ساری دُنیا دوں ہمتوں اور کاہلوں سے بھری ہوئی ہے۔ پس ہم نے اس کو مہر بند ہی رکھا اور اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے اس معاملہ کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔"

متعدد علماء نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ اس بارہ میں لکھتے ہیں:

"ابوحیان کے شیخ علامہ ابوجعفر بن زبیر نے خاص اس عنوان پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔ اس کا نام "البرہان فی مناسبتہ سور القرآن" ہے۔ ہمارے ہمعصروں میں شیخ برہان الدین بقاعی نے بھی اپنی کتاب "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" میں نظم کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔"

اس کے بعد علامہ سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں سورتوں اور آیتوں کی مناسبت کے علاوہ اعجاز قرآن کے مختلف پہلو بھی انہوں نے بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:۔

"نظم کا علم ایک نہایت اعلےٰ علم ہے اس کے اشکال کی وجہ سے علماء نے اس سے بہت کم بحث کی ہے۔ امام فخرالدین رازیؒ تنہا شخص ہیں جنہوں نے اسکی طرف سب سے زیادہ توجہ کی ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآنی حکمت کا بڑا حصہ ترتیب و نظم کے اندر چھپا ہوا ہے۔"

خود مجھے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر میں آیت ولوجعلناہ قراناعربیا الخ (حم السجدہ) کے تحت نظم قرآن کے متعلق ان کا بیان ملا (جو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے) مخدوم مہائمیؒ کی تفسیر کا موضوع ہی نظم ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کا نام "تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان" رکھا ہے۔

علم نظم کے پوشیدہ رہنے کے اسباب

علم نظام کے جاننے والے اگرچہ پہلے بھی رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اب ہم وہ اسباب بتاتے ہیں۔ جن کی بنا پر یہ علم پوشیدہ رہا ہے۔

قرآن مجید میں نظم کے وجود کا انکار جن لوگوں نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنی خوشی سے ایسا نہیں کیا، اگر وہ اس انکار پر مجبور نہ ہو گئے ہوتے تو اس سے یقیناً باز رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عقلمند آدمی لوگوں کے درمیان اپنا کلام پراگندہ حالت میں چھوڑنے پر خوش نہیں ہوتا۔ اگر کلام کی پراگندگی ایک مدت کے بعد بھی مصنف پر ظاہر ہو جائے تو وہ اس پر نظر ثانی کر کے اسے دور کر دیتا ہے۔ اسی طرح جس شخص سے آدمی حسن ظن رکھتا ہو، اسے بے ربطی سے متہم نہیں کرتا۔ البتہ اگر وہ اس کے سمجھنے سے عاجز آ جائے، تو پھر اپنی ذات کے قصور کو تسلیم کرنے کی بجائے اسے کہنے والے کی خامی پر محمول کرتا ہے یہ معاملہ تو اس وقت پیش آتا ہے جب کلام مخلوق کا ہوتا ہے لیکن اگر کلام پاک، بلند مرتبہ خالق کا ہو، وہ ترتیب نزول پر مرتب بھی نہ ہوا ہو، اس کا القا ایک امانتدار فرشتے نے ایک ایسے فصیح اللسان نبی پر کیا ہو جو فصاحت اور بیان میں شہرت رکھنے والی قوم میں سے ہو، یہ نبی کو کئی مرتبہ پڑھ کر سنایا بھی گیا ہو اور پھر اس بات میں بھی شک کرنے کی گنجائش نہ ہو کہ ہر چیز کا حسن اور اس کی نفع بخشی اس کے تناسب اجزا ہی میں مضمر ہوتی ہے — تو ..... پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ اور اس کی کتاب پر ایمان لانے والا ایک مسلمان کس طرح یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ کتاب نظم سے عاری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے قرآن میں نظم کا انکار کیا ہے، انہوں نے بعض ایسے اسباب کی بنا پر ایسا کیا جن کے آگے وہ بالکل مجبور ہو

گئے تھے اب ہم ان میں سے چند اہم اسباب کا ذکر کریں گے۔

پہلا اور سب سے قوی سبب کلام اللہ کو ہر عیب اور نقص کے الزام سے بری ثابت نے کی کوشش ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیشتر مقامات پر قرآن کا نظم بالکل ظاہر ہے۔ لیکن اگر لوگوں کا دعوے یہ ہوتا کہ پورا قرآن منظم ہے اور اس کے نظم کی رعایت لازمی ہے، تو وہ ایسے مقامات پر بہت مجبور ہو جاتے جہاں نظم کی تلاش اس کے دقیق ہونے کی وجہ سے مشکل ہے۔ لہذا انہوں نے اس مسلک ہی کو اختیار نہ کیا۔ نظم سے لاعلمی کو انہوں نے اپنے فہم کے قصور پر محمول اس لئے نہ کیا کہ بظاہر بعض چیزیں اصول نظم کے خلاف انہیں نظر آئیں، مثلاً آیت حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ) تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی۔

یہ آیت جس موقع پر آئی ہے اس سے پہلے عورتوں کا ذکر ہے۔ اس آیت کے بعد دوبارہ کلام اسی پہلے ذکر کی طرف لوٹ جاتا ہے، اگر درمیان میں یہ آیت نہ ہوتی تو پورا بیان متصل ہوتا۔ جن لوگوں نے اس آیت کی مناسبت واضح کی ہے انہوں نے کوئی ایسی چیز نہیں پیش کی جسے ایک انصاف پسند آدمی قبول کرے اور اس کی پیروی کرے۔ جو لوگ وجود نظم پر یقین رکھتے ہیں، ان میں سے بعض نے اس آیت کے نظم کے متعلق اپنے فہم کی درماندگی کا اعتراف کر لیا اور یہی محفوظ طریقہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کے فکر و تدبر کے بعد اس مشکل سے ہمارے لئے پردہ اٹھا دیا۔ اس پر اللہ رب العالمین کا شکر ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی رستہ نہ پا سکتے

دوسرا سبب (جو پہلے کی نسبت کم اہم نہیں ہے، لیکن اس کا تعلق مصنفین کے بجائے عام قارئین سے ہے) یہ ہے کہ جن لوگوں نے نظم کی طرف توجہ کی (مثلاً امام رازیؒ) انہوں نے اس مشکل کام میں بہت ہی سرسری اور سطحی چیزوں پہ قناعت کر لی۔ امام رازیؒ اگرچہ نظری علوم اور فہم و ذکاوت میں بہت آگے ہیں لیکن ہر دیکھنے والے کو ان کا کلام دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جس نظم کا یہ متجر امام دعوے کرتے ہیں وہ باوجود غور و فکر کے ان سے مخفی رہا ہے۔ جب وہ اس کی خاطر کمزور سے کمزور بات بھی کہہ ڈالتے ہیں تو پڑھنے والے کے اندر اس علم کا شوق باقی نہیں رہتا۔ جس شخص پر یہ اثر پڑتا ہے، وہ یا تو نظم کا اقرار کرنے کے

باوجود اس علم سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اوپر اس کا دروازہ بند کر لیتا ہے یہانتک کہ اگر کوئی شخص نظم کی دعوت بھی دے تو یہ اس کی بات پر کان نہیں دھرتا، یا وہ یہ رائے اختیار کر لیتا ہے کہ ..... قرآن چونکہ الگ الگ وقتوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے۔ اس لئے اس میں نظم کی تلاش فضول ہے۔

تیسرا سبب جو نظم قرآن کے اخفاء کا باعث ہوا ہے۔ تاویل کے متعدد پہلو اور بحثوں اور روایتوں کا موجود ہونا ہے۔ نظم، کلام کو ایک وحدت کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔ تاویلیں جتنی مختلف ہوں گی نظم کی تلاش اسی قدر مشکل ہو گی۔ ان اقوال و روایات کو دیکھ کر آدمی اس شش و پنج میں پڑ جائے گا کہ ان میں سے کون سی رائے اختیار کرے۔ اس کی حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو ایک چوراہے پر کھڑا ہو اور اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اسے کس رستہ پر جانا ہے۔ اس صورت حال اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ صرف اسی تاویل پر قناعت کی جائے۔ جس سے کلام منظم ہو جائے اس طریقہ کو ہم نے تاویل کے اعتبار سے زیادہ اچھا اور اصول بلاغت کے مطابق پایا ہے سلف کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک نے صرف ایک تاویل اختیار کی ..... لیکن بعد کے لوگوں نے اختلاف اقوال کو پھیلا دیا۔ یہ معاملہ ہر علم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب کتابیں زیادہ ہو جاتی ہیں علم مدون ہو جاتا ہے اور اس کا سیکھنا آسان ہو جاتا ہے تو لوگ تبحر اور کمال کی حرص میں ..... کثرت اقوال و مذاہب ہی کو علم سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ طلب الکل فوت الکل کے مقولہ کے مطابق انہیں اس طرح علم حاصل نہیں ہوتا۔ علم تفسیر کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہے جو شخص اس علم میں مشغول ہو وہ اسے اقوال کا ایک سمندر پائے گا۔ اگر آدمی ان اقوال کی محافظت کرنے لگے تو نظم کے طریقہ پر چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے لئے واحد طریقہ یہی ہے کہ سلف کے طریقہ پر خود قرآن پر غور کیا جائے اور سنت ثابتہ سے اس کی مطابقت تلاش کی جائے۔ اس کے نتیجہ میں نظم سمجھ میں آئے گا اور تاویل صحیح ہو گی

چوتھا سبب جو تیسرے سبب سے قریب ہی ہے، یہ ہوا کہ اُمت فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی تو ہر ایک فرقہ نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق کلام الٰہی سے دلیل لینی چاہی۔ وہ چاہے ظاہر کلام سے اپنے مطلب کی تاویل لے لیتے یا کلام کے محتملات سے مطلوبہ نتیجہ نکال لیتے، ان کے لئے برابر تھا۔ یہ بات تو پوشیدہ نہیں کہ رائے یا وہم کا غلبہ ایک بعید چیز کو قریب اور کمزور کو قوی بنا دیتا ہے۔ جب ہر فریق نے اپنے اپنے مقصد کے مطابق تاویل کی تو نظم کی رعایت ممکن نہ رہی، کیونکہ کلام تو بہرحال سیاق اور اجزا کے موقع کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ نظم کی رعایت بھی کرتے تو ان کے لفظ نظر کا ضعف واضح ہو جاتا، اور انہیں ان کے مسلک کے خلاف لے جاتا۔ جیسے ایک کلمہ جب تک الگ رہے تو اس کے کئی معانی مُراد لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب اسے ایک کلام میں جگہ دی گئی ہو۔ تو اس کے معانی کے احتمالات کی کثرت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے وہ معنی متعین ہو جاتے ہیں جو جملہ کے مجموعی مضمون سے مطابقت رکھتے ہوں۔

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر

تدبّرِ قرآن

(تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ)

جس کے مطالعہ سے

- قرآن مجید میں غور و فکر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔
- آیۂ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ کی حقیقت و اہمیت واضح ہوتی ہے

اور

- قرآن فہمی کی راہیں کھلتی ہیں

قیمت: ۷۵ پیسے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ:- مکتبۂ میثاق، رحمانپورہ اچھرہ لاہور ۱۲

مقالات

مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب

اسلام اور انسانی حقوق

انسانی عظمت و فضیلت کا تصور جو اسلام نے پیش کیا ہے، دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس قدر نمایاں ہے کہ اسلام میں انسان کی برتری تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اسے یہاں جو حقوق و اختیارات دیئے گئے ہیں وہ بھی واضح طور پر دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ ہیں۔ دوسری مخلوقات پر اسے جو فضیلت اور برتری حاصل ہے اس کے بارے میں قرآن مجید کا ایک بیان ملاحظہ ہو۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل ۷)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں انہیں سواری دی اور پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور اپنی بیشتر مخلوقات پر انہیں فضیلت دی۔

انسان کی یہی فضیلت تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ متعین کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ فرشتوں نے جب یہ سوال کیا کہ شب و روز عبادت و اطاعت میں ہم کوئی کوتاہی نہیں کرتے، پھر انسان کو خلافت و نیابت کا مستحق کیوں سمجھا گیا ہے جبکہ اسکے اختیارات کا نتیجہ فساد و خونریزی کی شکل میں نکل سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت و کرامت ہی کا حوالہ دیا جس سے فرشتے مطمئن ہو گئے۔ انسان کی یہی عظمت و فضیلت تھی جس کی بنا پر اسے امانت الٰہی کا وہ بار گراں سپرد کیا گیا جس کے تحمل سے کائنات کی ساری چیزوں نے انکار کر دیا تھا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (احزاب ۷۲)

ہم نے آسمانوں، پہاڑوں اور زمین کے سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔

دوسری مخلوقات پر انسان کی فوقیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اس کے فائدہ اور آرام کے لئے پیدا کی گئی ہیں، تخلیق عالم کا باعث و مقصود وہی ہے اور تمام کارخانہ حیات اس کے استعمال کے لئے بنایا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ ۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

یعنی زمین کے اندر جو کچھ ہے سب خدا کی طرف سے انسان کے استفادہ کیلئے ہے اور کائنات کی تمام چیزیں اس کے لئے مسخر کر دی ہیں، فرمایا۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان ۲۰)

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے فائدے کیلئے وہ سب کچھ مسخر کر دیا جو آسمانوں اور زمین کے اندر ہے اور تم پر اپنی کھلی اور چھپی ہر قسم کی نعمتیں پوری کر دیں۔

زمین و آسمان، رات، دن، چاند، سورج، آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے، شجر و حجر، دریا اور پہاڑ، بارش اور ہوائیں، سرسبز و شاداب کھیتیاں اور تر و تازہ میوے اور پھل، حیوانات اور دیگر تمام اشیاء جو حد و شمار سے بھی باہر ہیں خدا کی عظیم نعمت ہیں اور انسان کے تمتع کے لئے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے بارش اتاری تاکہ اس سے تمہارے رزق کے لئے پھل اگائے اور کشتیاں تمہارے لئے مسخر کیں تاکہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلیں اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تمہارے

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَ اٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

(ابراہیم ۳۲ تا ۳۴)

لیے دریا مسخر کیے اور سورج چاند کو ایک دستور پر اور رات و دن کو تمہارے لیے مسخر کیا اور جو چیزیں تم نے اس سے مانگیں جن کی تمہیں ضرورت ہوئی) اس نے وہ سب عطا کیں اور اگر تم اس کے انعامات کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بے شمار ہیں ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اب صرف قابل غور بات یہ رہ جاتی ہے کہ جس دین میں انسان کو اتنی کرامت و عزت بخشی ہوگئی ہو اور کہا گیا ہو کہ سارا کارخانۂ عالم انسان کے استعمال فائدہ کے لیے بنایا گیا ہے کیا اس میں انسانوں کے جائز حقوق و مطالبات اور اختیارات و مراعات کا جیسا کہ اس پر الزام لگایا جاتا ہے خیال نہ رکھا گیا ہوگا؟ اور کیا ایسا دین نے انسان کی جان و مال عزت و آبرو اور آزادی رائے وغیرہ حقوق کا احترام نہ کیا ہوگا؟ اس تمہید کے بعد اب ہم ان حقوق و مراعات پر غور کریں گے جو اسلام نے انسان کو دی ہیں۔

جان کی حفاظت

دنیا میں انسان کا سب سے پہلا اہم اور بنیادی حق یہ ہے کہ وہ زندہ رہے اور اسکی جان ہر اعتبار سے محفوظ ہو اسے کسی قسم کا خطرہ اور ضرر لاحق نہ ہو۔ اسکی زندگی ہر اعتبار سے مطمئن اور پرسکون ہو اور وہ خود ہر طرح خوشحال اور فارغ البال ہو۔

اس اہم اور بنیادی حق کا اسلام نے اتنا خیال رکھا ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی ان مذاہب میں نہیں پایا جاتا جو رحم و مروت کے پیکر اور اہنسا اور عدم تشدد کے علمبردار خیال کئے جاتے ہیں۔ حدود و تعزیرات کے اکثر احکام و قوانین مدنی زندگی میں نازل ہوئے لیکن انسان کی زندگی کی حفاظت اور جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں نازل ہوگیا تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں جو قوانین و احکام دیئے گئے تھے ان میں سے ایک اہم حکم یہ بھی تھا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ — خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اسے ناحق

إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (بنی اسرائیل ۳۳)

نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا ہے اور چاہیئے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے اس کی مدد کی جائے گی۔

خدا نے اپنے محبوب نیک بندوں کے جو اوصاف گنائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (فرقان ۶۸)

(خدائے رحمٰن کے بندے) اس کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور ناحق اس جان کو نہیں مارتے جسے اس نے حرام کیا ہے۔

یہ اجمالی حکم تھا اسکی پوری تفصیل مدنی زندگی میں بیان کی گئی جہاں مقتول کا قصاص لینے کا حکم دیا گیا اور اس میں کسی آزاد یا غلام، مرد یا عورت کی تمیز روا نہ رکھی گئی۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَىٰ (بقرہ ۱۷۸)

ایمان والو تم پر مقتولین کا قصاص (لینا) فرض کیا گیا ہے۔

قصاص کے اس حکم سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ اس طرح مزید لوگوں کی زندگیاں تلف ہوں گی اور یہ حکم خونریزی کا باعث بنے گا۔ اس غلط فہمی کو بڑی قوت سے دور کیا گیا اور بتایا گیا کہ قصاص میں مرنے والوں کی موت سے بحیثیت مجموعی قوم کی زندگی محفوظ ہوگی۔ قصاص کا مقصد قتل و خونریزی کا بالکل سدباب اور نوع انسانی کی بقا و تحفظ کی عام ضمانت ہے۔ فرمایا

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ ۱۷۹)

اے عقلمندو تمہارے لئے قصاص کے اندر زندگی ہے تاکہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

جو لوگ زمین میں فساد برپا کر کے امن عامہ میں خلل ڈالنا اور انسانی زندگی کے سکون و راحت کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے قرآن نے بڑی عبرتناک اور سخت سزا تجویز کی۔ فرمایا

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ

ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں یہ ہے کہ بری طرح قتل کئے

يُقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ۳۶)

جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے اِدھر کے ہاتھ اور اُدھر کے پیر کاٹ ڈالے جائیں یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔

عربوں میں اس کا بھی رواج تھا کہ وہ اپنی اولاد کو فقر و فاقہ اور دُوسری اُلجھنوں سے بچنے کیلئے قتل کر دیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس مشرکانہ اور بہیمانہ خصلت کا کئی مقام پر ذکر کیا ہے اس شنیع اور ناگوار معاملہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا حکم فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (بنی اسرائیل ۳۱)

تنگی اور فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم انہیں روزی دیں گے اور تمہیں بھی ہم ہی روزی دیتے ہیں انہیں مارنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اسلام کو انسان کی جان اس قدر عزیز ہے کہ اس نے ہر شخص کو نہ صرف یہ کہ دوسروں کی جان پر حملہ آور ہونے سے منع کیا ہے، بلکہ خود اسے بھی اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کرے غیر معمولی عبادت و ریاضت کر کے انسان اپنے آپ کو اگر مشقت و تکلیف دیتا ہے تو یہ بھی اسلام کو پسند نہیں اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ بیشک تمہارے اوپر تمہارے جسم، تمہاری آنکھ اور تمہارے دوسرے اعضاء نیز متعلقین کے بھی حقوق ہیں۔ جو لوگ دُنیا کی پریشانیوں سے گھبرا کر خودکشی کر بیٹھتے ہیں انہیں جہنم کی وعید سُنائی گئی۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيْهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسُمُّهٗ فِىْ يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهٗ بِيَدِهٖ يُجَاءُ بِهَا فِىْ بَطْنِهٖ نَارِ

جو شخص پہاڑ سے گر کر اپنے کو ہلاک کر دے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ گرتا رہیگا اور جو شخص زہر کھا کر ہلاک ہو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم میں اسے ہمیشہ ہمیشہ نگلتا رہے گا اور جس شخص نے چھری اور لوہے سے اپنے کو ہلاک کیا تو اسکو جہنم میں لایا جائیگا چھرا اس کے ہاتھ ہوگا جسے وہ پیٹ میں

جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا گھونپتا ہوگا اور وہ اس حالت میں ہمیشہ رہیگا۔

صرف اسی قدر نہیں بلکہ اسلام نے تو اس سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی شخص مجرد خودکشی کے بارہ میں سوچے یا اپنے دل میں اس کا خیال لائے یا موت کی آرزو یا تمنا کرے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزْدَادُ وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ

کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اگر وہ اچھے کام کر رہا ہے تو ممکن ہے آئندہ (اسکو) اور اضافہ ہو اور اگر بدکار ہے تو شاید (آئندہ اسے) توبہ کا موقع ملے

اسلام نے جس طرح جان مارنے اور قتل کرنے کو بہت بڑی معصیت قرار دیا ہے اسی طرح خدا کے بندوں کے ساتھ کسی قسم کا ظلم و تعدی کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ لوگوں کے جسم و روح کو کسی طرح کا صدمہ پہنچانا یا انہیں کسی بہانے بھی ستانے اور دکھ دینے سے نہایت شدت کے ساتھ روکا ہے۔ اس کے نزدیک بقول خواجہ حافظ مردم آزاری سے کوئی بڑا گناہ نہیں ؎

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

اس لئے اسلام نے تمام لوگوں پر دوسرے لوگوں کے حقوق عائد کئے ہیں۔ ماں باپ کے حقوق کیا ہیں، ازواج و اولاد کے معاملہ میں کیا طرز عمل ہو، اعزہ و اقربا کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے، ہمسایوں اور پڑوسیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ چھوٹے بڑے اور ہمعصر لوگوں میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور دوست تو دوست دشمنوں کے ساتھ بھی کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔ ان سب کا جواب صرف ایک لفظ میں حسن سلوک اور خوش معاملگی ہے کہیں بھی اس کی اجازت نہیں دیگئی ہے کہ آدمی کسی آدمی کے ساتھ ظلم، ناانصافی، حق تلفی اور اذیت کا برتاؤ کرے اس کے متعلق قرآن مجید اور حدیثوں میں اس قدر ہدایات دی گئی ہیں کہ ان کو نقل کرنا موجب طوالت ہوگا اور یہ تو محض جان کی حفاظت کا سوال تھا۔ اسلام دوسری طرف اس بات کی بھی کوشش کرتا ہے کہ ہر شخص دنیا میں ترقی کرے اور خوشحالی کی زندگی بسر کرے۔ وہ ان اسباب و ذرائع کو مہیا کرتا ہے۔ جن سے آدمی دنیا میں فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو آرام و راحت پہنچائے۔ اور اپنی ترقی و فلاح و کامرانی کی راہ اختیار کرے۔

یہ تو انسان کی جان جسم اور روح کا معاملہ تھا، اسلام نے تو عام مخلوقات، جانوروں، پرندوں

اور حشرات الارض وغیرہ کے معاملہ میں بھی ایسی تعلیم دی ہے جو ان کی حفاظت اور نگہداشت کی پورے طور سے ضامن ہے۔

مال کا تحفظ انسان کی جان کے بعد اس کے مال کا درجہ ہے اسلام جس طرح انسان کی جان کو معزز و محترم سمجھتا ہے اسی طرح مال کو بھی محترم سمجھتا ہے۔ وہ کسی شخص کو بھی اسکی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے کی جان کی طرح اس کے مال پر حملہ آور ہو یا زبردستی سے اور ناجائز طریقے سے کسی کے مال پر قبضہ کرے اس لئے اسلام نے تمام ایسے طریقوں کا سدباب کیا ہے جن سے لوگ دوسروں کا مال ہضم کرتے ہیں۔ قرآن نے چوری کرنے والوں کی یہ سزا مقرر کی ہے

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا (مائدہ ۴۱) چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ وہ ایک معزز اور شریف گھرانے کی عورت تھی اس لئے لوگوں کو اس کے ہاتھ کاٹے جانے کے متعلق تشویش ہوئی انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو آنحضرت صلعم کے نہایت چہیتے تھے اس کے متعلق سفارش کرائی۔ آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نچلے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام و حدود جاری کرتے لیکن اوپر کے درجہ کے لوگ جب جرائم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگذر کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیتا۔

چوری کے علاوہ ناجائز طور سے مال لے لینے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً خیانت، بددیانتی، ڈاکہ، غصب، بے ایمانی، دھوکہ، فریب، رشوت، ناپ تول میں کمی بیشی اور سود وغیرہ ان سب کو اسلام نے نہایت قبیح اور مذموم فعل قرار دیا ہے قرآن نے ایک مختصر سی آیت میں حرام خوری کی تمام شکلوں کی مذمت کر دی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (نساء ۲۸) اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور سے مت کھاؤ۔ الا آنکہ وہ باہمی رضامندی سے لین دین کا معاملہ ہو۔

یتیم بچوں سے زیادہ مظلوم اور قابل رحم طبقہ کون ہوگا لیکن ان سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بھی

کوئی نہیں بتایا جاتا' ان کے مال کو ہڑپ کرنے کے لئے اچھے اچھے 'پارسا' بھی کیسے کیسے جتن کرتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں لیکن قرآن نے آکر یہ وعید سنائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (نساء ۹)

جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈالتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں جائیں گے۔

سودی کاروبار سے بڑھ کر کونسا ڈاکہ ہوسکتا ہے اور دراصل اس کے ذریعہ سرمایہ دار غریبوں کا لہو پیتے ہیں لیکن قرآن پونے چودہ سو برس پہلے اس جاہلانہ اور بہیمانہ رسم کو ختم کر چکا تھا۔ مگر افسوس کہ آج کل کی ترقی یافتہ دنیا میں یہ وبا انتشار عام ہے کہ اچھے اچھے پاکباز اور پاکدامن بھی اس لعنت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ہیں ـــــ ایک جگہ اہل ایمان کو سود خوری پر کتنی سخت تنبیہہ کی گئی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران ۱۳۰)

اے ایمان والو دُگنا چوگنا کرکے سُود نہ کھاؤ۔

سود کی ہی بنا پر اسے ایک ایسا جرم قرار دیا گیا جو خدا و رسول سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (بقرہ ۲۷۸)

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو (تمہارا رویہ خدا اور رسول سے لڑائی لڑنے کا ہے سو) اعلان کردو خدا اور رسول سے جنگ کا اور اس اعلان جنگ کے نتیجہ کے لئے تیار رہو۔ اور اگر تم (سود سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

احادیث میں سود خوری کی تمام جزئیات کی تشریح کرکے ان کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسی طرح رشوت سے بھی منع کیا گیا ہے فرمایا۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ ۱۸۸)

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جانتے بوجھتے حق تلفی کر کے کھا جاؤ۔

آنحضرت صلعم نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں شخصوں کی مذمت کی آپ نے حاکموں کو خاص طور سے اس سلسلہ میں ہدایات دیں یہانتک کہ رعایا سے تحفہ تحائف لینے کی بھی انہیں اجازت نہیں دی۔

شریعت اسلامی نے کسی کا مال دبا جانے اور اس میں خیانت کرنے سے منع کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدایات اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ ہر قسم کی خیانت اور بددیانتی سے روکا آپ نے منافق کی تین علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی بتائی کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے

خیانت کی ایک خاص قسم "غلول" ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز کسی آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور تقسیم نہ ہوئی ہو لیکن کوئی فریق دوسرے شرکاء سے چھپا کر اس میں سے لیلئے ایسا خاص طور پر اس وقت ہوتا تھا جب مال غنیمت حاصل ہوتا اور امیر و کبیر اس میں تقسیم سے پہلے ہی تصرف شروع کر دیتے تھے اس لئے غلول سے بھی منع کیا گیا۔ قرآن میں ہے

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ۱۶۱)

اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اپنی خیانت لے کر آئے گا۔

ناپ تول میں کمی بیشی کر کے بھی دوسروں کا مال ہڑپ کیا جاتا ہے دوکانداروں اور بیوپاریوں کی عام ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ خود فروخت کرتے ہیں تو وزن میں کمی کرتے ہیں اور جب دوسروں سے چیزیں خریدتے ہیں تو زیادہ تول کر لیتے ہیں۔ اس لئے قرآن پاک نے اس ناجائز کاروبار کی جسکے ذریعہ عام طور سے غریبوں کی حق تلفی ہوتی ہے بڑی شدت سے ممانعت کی ہے۔ فرمایا۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ

اور ناپ تول پورا دو اور (اس میں) کم کرنیوالے نہ بنو اور تولو سیدھی ترازو سے اور لوگوں کو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (شعراء ۱۸۱-۱۸۳)

انکی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

سورۂ بنی اسرائیل میں جو اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (بنی اسرائیل ۳۵)

اور جب تولو پورا تولو اور سیدھے ترازو سے تولو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔

اس معاملہ کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے بڑی وضاحت سے اسپر نکیر فرمائی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (مطففین ۱-۴)

خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو (ناپ تول میں) کمی کرتے ہیں اور جو لوگوں سے پورا پورا تول کر لیتے ہیں (لیکن) جب خود تول یا وزن کر کے دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں اس کا خیال نہیں کہ انہیں ایک بڑے سخت دن کے لئے اٹھایا جائے گا۔

غرضیکہ ناجائز طریقہ سے جس طرح بھی دوسروں کا مال لیا جائے اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے۔

عزت و آبرو کی حفاظت

جان و مال ہی کی طرح انسان کو اس کی عزت و آبرو بھی نہایت عزیز اور محبوب ہوتی ہے۔ بلکہ ایک خوددار آدمی جان و مال کا ضیاع برداشت کر سکتا ہے لیکن عزت و ناموس پر کسی قسم کا دھبہ لگنا پسند نہیں کر سکتا۔ اسلام کو انسان کے اس جذبہ اور احساس کا پورا اندازہ ہے اس لئے اس نے عزت و وقار پر بٹہ لگنے والی ہر ہر چیز بلکہ اس کے شائبوں تک کی روک تھام کی ہے۔ زنا، بدکاری، بہتان، الزام تراشی اور انسانی آبرو اور حرمت کو ضرر پہنچانے والی ہر ہر چیز کو وہ سنگین بتاتا ہے۔

انسانی عزت و وقار کے لئے سب سے زیادہ کھلا ہوا چیلنج اور معاشرت و سوسائٹی کے دامن پر سب سے بدنما داغ اور دھبہ زنا ہے۔ اسلام زنا کا بھی مخالف ہے اور زنا کے اسباب و محرکات کا بھی تاکہ انسان کی عفت و پاکدامنی پر کہیں سے بھی حرف نہ آسکے۔ زنا کے متعلق فرمایا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۳۲)

زنا کے قریب نہ پھٹکو بیشک وہ بدکاری اور غلط راستہ ہے

خدائے رحمان کے پاکیزہ بندوں کا ایک وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کی گئی کہ جب مومن عورتیں آپ سے بیعت کے لئے حاضر ہوں تو وہ شرک و سرقہ کی طرح زنا سے بھی اپنی دستبرداری کا اعلان کریں تو ان سے بیعت کر لیجئے۔ کنوارے زنا کار مرد و عورت کی سزا یہ بتائی کہ انہیں سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ ہوں تو سنگسار کئے جائیں پھر جیسا کہ اوپر گذرا زنا اور شہوت کو دعوت دینے والی جتنی چیزیں ہو سکتی ہیں سب سے شریعت اسلامی نے آدمی کو منع کیا ہے۔

اسی طریقہ سے کسی بے گناہ کو جان بوجھ کر مجرم بنانے کی کوشش کرنا اور اس پر غلط الزام عائد کرنا اور بہتان لگانا بھی بڑی معصیت ہے۔ چونکہ اس کا مقصد بھی لوگوں کو بدنام کرنا اور انکی عزت و وقار پر حملہ کرنا ہے اس لئے قرآن پاک نے اس سے بھی سختی سے روکا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (احزاب ۵۸)

جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے بن کئے (الزام) لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ بہتان اور واضح حق تلفی کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

بعض لوگ خود مجرم ہوتے ہیں مگر وہ اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں اس قسم کے لوگوں کے بارہ میں فرمایا۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (نساء ۱۱۲)

اور جس نے خطا یا گناہ کا ارتکاب کیا اور پھر اس نے اس کی تہمت بے قصور پر لگائی تو اس نے بہتان اور واضح حق تلفی کا بار اپنے اوپر لادا۔

اس قسم کی مذموم حرکت کرنے والوں کی قانونی سزا یہ مقرر کی کہ۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی دُرّے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی قبول

شَهَادَةً اَبَدًا (نور ۴) نہ کرو۔

بعض لوگ دوسروں کو متہم اور بدنام کرنے کے لئے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کا مذاق اڑانا، بُرے القاب دینا ان کی غیبت کرنا چغلی کھانا وغیرہ اور ان سب کا مقصد جہاں انکی روح کو صدمہ پہنچانا ہے۔ وہیں انہیں بدنام اور بے عزت کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن نے ہدایت کی ہے کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (حجرات ۱۱)

ایمان والو! کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہو۔ نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے بھائیوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو۔

غرضیکہ انسان کی عزت، آبرو اور حرمت کا اسلام نے جس قدر خیال رکھا ہے۔ اس کا تصور بھی دوسرے مذاہب نہیں پیش کر سکتے۔

ان تین چیزوں یعنی جان، مال اور ناموس کی حفاظت کا معاملہ نہایت اہم ہے اور انسان کو اس کے ان حقوق سے محروم کر دینا اس کی سب سے بڑی حق تلفی ہے اس لئے اسلام نے ان تینوں کی حفاظت کی پوری ضمانت دی ہے اور ایک مسلمان کی اصلی شان یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کے ہاتھوں اور زبان سے کسی مسلمان کو دُکھ نہیں پہنچتا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو اسی طرح محترم اور معزز ہیں جس طرح آج کا دن اور خانہ کعبہ کی سرزمین محترم ہے۔

(باقی)

ماہنامہ "میثاق" کے پرانے شماروں کی ضرورت

جن حضرات کے پاس میثاق جون، اکتوبر ۱۹۵۹ء اور جنوری ۱۹۶۲ء کے فاضل پرچے موجود ہوں وہ فوراً دفتر میثاق کو بھجوا کر انکی قیمت حاصل کر سکتے ہیں۔

منیجر: ماہنامہ میثاق، رحمانپورہ، اچھرہ لاہور ۱۲

اقتباسات و تراجم

ادارہ اجمل باغ

سائنس کا اعترافِ حقیقت

"یہ مضمون کریسی موریسن (CRESSY MORRISON) سابق صدر نیویارک سائنس اکیڈمی کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے جس میں مصنف نے وہ سات باتیں بتائی ہیں، جن کی بنا پر ایک سائنسدان کو خدا پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اس مضمون سے لوگوں کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کثیر الاشاعت ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ نے اسے فرمائش پر دو مرتبہ شائع کیا"۔ ادارہ

یہ دَور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں سائینسی انکشافات و ایجادات کا دور ہے جوں جوں سائینس کی ترقی کا مہرِ عالمتاب بلند ہوتا جا رہا ہے اُس کی روشنی سے ہر غور و فکر کرنے والے قلب میں یہ حقیقت زیادہ سے زیادہ جاگزین ہوتی چلی جا رہی ہے کہ کائنات کی تخلیق کسی حکیم مطلق کے ارادہ کی مرہونِ منّت ہے۔ ڈارون کے زمانہ سے لے کر اَب تک، پچھلے نوّے سالوں میں ہم نے قدرت کے بہت سے سربستہ رازوں کو کھولا ہے اور متعدد انکشافات کئے ہیں۔ ایک ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ یہ علم و انکشافات ہمیں خدا کی معرفت سے قریب تر کرتے چلے جا رہے ہیں۔

جہاں تک میرے غور و فکر کا تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل اسباب و وجوہ کی بنا پر میں خدا پر ایمان لانے پر مجبور ہوں۔

اؔ ریاضی کے غیر متبدّل قانون سے ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک بہت بڑے مُدبّر حکیم نے بنائی ہے۔

——— فرض کیجئے آپ دس اِکنیاں جس پہ ایک سے لے کر دس تک نمبر لگے ہوئے ہیں اپنی

جیب میں ڈالتے ہیں اور انہیں آپس میں اچھی طرح خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اب آپ جیب میں ہاتھ ڈالیں اور ایک نمبر والی اکنی نکالنے کی کوشش کریں۔ ایسا کرنے کے بعد آپ اسے دوبارہ جیب میں گرا دیں اور سب کو ایک مرتبہ پھر ملا جلا کر اب دو نمبر والی اکنی نکالنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح سے اس عمل کو دہراتے ہوئے آپ دسوں اکنیاں نکالنے کی کوشش کریں۔

علم ریاضی کی رو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے ایک نمبر والی اکنی صحیح نکالنے کا امکان دس میں ایک ہے۔ ایک نمبر والی اور دو نمبر والی اکنیاں صحیح نکالنے کے امکانات سو میں ایک کے برابر، اور ایک نمبر والی، دو نمبر والی اور تین نمبر والی اکنیاں صحیح نکالنے کے امکانات ایک ہزار میں ایک کے برابر ہیں۔ اس طرح آپ کے دسوں اکنیوں کو صحیح نکالنے کے امکانات ناقابل یقین حد تک کم ہو جاتے ہیں یعنی دس ارب میں صرف ایک۔

اس کے بعد اب آپ دیکھیں کہ ہر جاندار کو زمین پر زندگی گزارنے کے لئے ایک خاص ترتیب تدریج کے ساتھ بے شمار چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ سب اُسے اپنے اپنے وقت پر ملتی رہتی ہیں۔ کون سر پھرا اسے نظام ربوبیت نہیں کہے گا! اسے اصلاح اور حکمت سے بھرا ہوا ایک کارنامہ نہیں کہے گا۔ اور اسے ایک اتفاقی حادثہ کا نام دے گا۔

——— زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ اگر یہ اسکی بجائے صرف ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومنا شروع کر دے تو نتیجہ کے طور پر ہمارے دن اور رات آپ سے دس گنا لمبے ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو سورج زمین پر اتنا طویل عرصہ مسلسل چمک کر یہاں کی روئیدگی کو جلا دیتا اور اگر اتفاق سے کوئی چیز بچ رہتی تو رات کے طویل گھنٹے اُسے سردی سے جما دیتے۔

——— پھر سورج ہی کو لو جو ہماری زندگی کے لئے ایک عظیم ضرورت کا درجہ رکھتا ہے اس کی سطح کا درجۂ حرارت 12000 درجہ فارن ہیٹ ہے۔ ہماری زمین اس سے اس قدر دوری پر واقع ہوئی ہے کہ یہ اُسے اُس کی حقیقی ضرورت کے مطابق گرمی پہنچا رہا ہے۔ نہ اسے جلاتا ہی ہے اور نہ سردی سے جمنے ہی دیتا ہے۔ سورج اگر ہماری روزمرہ کی گرمی سے صرف نصف حصہ روک لے تو ہم جم جائیں اور اگر یہ اُسے صرف دوگنا کر دے تو ہم بھون جائیں۔

——— زمین اپنے Axis پر ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتی ہوئی گھوم رہی ہے اور اس کی اس حرکت سے ہمیں سال بھر میں مختلف موسم حاصل ہوتے ہیں۔ اگر اس کا یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے بخارات شمال اور جنوب کی طرف جاتے اور ہر طرف برف ہی برف ہوتی۔

——— زمین کی جلد (CRUST) اگر دس فٹ اور زیادہ موٹی ہوتی تو ہم آکسیجن سے محروم ہو جاتے اور کسی جاندار کا زندہ رہنا ممکن نہ رہتا۔

——— ہمارا ہوائی کرّہ اگر نسبتاً کم موٹا ہوتا تو شہاب ثاقب جو کروڑوں کی تعداد میں روزانہ اوپر سے نیچے گر رہے ہیں اور اسی کرّہ کے اندر جسم ہو رہے ہیں، ان میں سے بہت سے ہماری زمین تک پہنچ جایا کرتے اور ہر طرف آگ ہی آگ بھڑک اٹھتی۔

یہ چند موٹی موٹی مثالیں ہیں غور و فکر کی گہرائیوں میں جتنا زیادہ اترتے جاؤ گے ایسی حیرت انگیز چیزیں سامنے آتی جائینگی۔ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس چیز کا دس لاکھ میں سے ایک کا بھی امکان نہیں ہے کہ دنیا محض ایک حادثہ کے طور پر وقوع میں آگئی ہے۔

۲۔ زندگی میں اپنا مقصد حاصل کر سکنے کی اہلیت اور طاقت ہی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اسے ایک ہمہ بین و ہمہ دان ہستی نے بنایا۔

مجرّد زندگی کیا ہے؟ کوئی شخص آج تک اس کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ یہ نہ وزن رکھتی ہے اور نہ حجم، لیکن یہ طاقت ضرور رکھتی ہے۔ ایک اُبھرتی ہوئی جڑ کبھی کبھی چٹان میں بھی شگاف پیدا کر دیا کرتی ہے۔ زندگی نے نہ صرف پانی ہوا اور زمین پر فتح حاصل کی ہے، بلکہ ان پر اسے یہاں تک غلبہ حاصل ہو گیا ہے کہ یہ ان کے باہمد گر مربوط اجزاء کو غیر مرتب کر کے پھر انہیں از سر نو ترکیب دے سکتی ہے۔

تقریباً نظر نہ آنے والے پروٹو پلاسم (PROTO PLASM) کے قطرے کو دیکھو یہ شفاف بیضوی کی طرح کا حرکت پذیر قطرہ سورج سے توانائی حاصل کرتا ہے۔ یہ کہر کی طرح کا چھوٹا سا شفاف قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ رکھتا ہے اور پھر یہ طاقت بھی رکھتا ہے کہ اسے ہر بڑی یا چھوٹی میں منتقل کر سکے اس ایک چھوٹے سے قطرے کی طاقت مجموعی طور پر دنیا بھر کے نباتات اور حیوانات کی طاقت سے زیادہ ہے کیونکہ زندگی سب نے وہیں سے پائی۔

آگ سے جھلسی ہوئی چٹانیں یا سمندر یہ کام نہیں کر سکتے تھے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

..... پھر اس قطرے کو کون لایا ؟

۴۔ جانوروں کے اندر عقل وفہم کا جو مادہ پایا جاتا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہیں ایک علیم و خبیر اور ساتھ ہی رحیم و کریم خدا نے پیدا کر کے اُن کے اندر یہ مادہ ودیعت فرمایا۔ ورنہ اس کے بغیر وہ مجسم بیچارگی تھے۔

سیلمن (SELMON) مچھلی سالہا سال سمندر میں گذارتی ہے لیکن اپنے وقت مقررہ پر وہ خود ہی سمندر سے دریا میں اور دریا سے اُسکی اس شاخ میں پہنچ جاتی ہے جہاں وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ کیا چیز ہے جو عین اس مقام تک اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اگر تم اُسے دریا کی کسی دوسری شاخ میں چھوڑ دو تو وہ فوراً سمجھ جائیگی کہ وہ کسی غلط مقام پر آگئی ہے۔ وہ وہاں سے پھر بہاؤ کے خلاف بڑے دریا میں پہنچے گی۔ اور وہاں سے اپنی اُسی شاخ میں جا پہنچیگی۔

ایل مچھلی (EALS) کا معاملہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ جب یہ جانور کسی قدر بڑے ہو جاتے ہیں تو تالابوں، جھیلوں اور دریاؤں سے نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ یورپ میں یہ جانور سمندر کے ہزاروں میل طے کر کے برمودا (BERMUDA) کے قریب پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں وہ انڈے دیتے اور مر جاتے ہیں۔ جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو اگرچہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ انکے ماں باپ کہاں سے آئے تھے وہ واپس جاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اسی ساحل سمندر پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ان کے ماں باپ سمندر میں داخل ہوئے تھے۔ بلکہ وہاں سے انہی جھیلوں، دریاؤں اور تالابوں تک میں پہنچ جاتے ہیں

بھڑ کی ایک قسم جب انڈا دینے کے قریب ہوتی ہے تو وہ ایک ٹڈے کو پکڑ لیتی ہے اور اس کے ٹھیک ایسے مقام پر ڈنک مارتی ہے جس سے وہ مرتا نہیں صرف بیہوش ہو جاتا ہے اور محفوظ گوشت کا کام دے سکتا ہے۔ اب یہ بھڑ ایک سوراخ میں انڈے دیتی ہے اور اُس بیہوش ٹڈے کو انڈوں کے ساتھ ایسے قرینے سے رکھتی ہے کہ جب انڈوں سے بچے نکلیں تو اس کو آسانی کے ساتھ کھانا شروع کریں مگر اس طرح سے کہ وہ کیڑا مرے بھی نہیں۔ کیونکہ مُردہ کیڑے کا گوشت ان بچوں کے لئے مہلک ہوتا ہے یہ کام کرنے کے بعد وہ بھڑ مر جاتی ہے اور اپنے بچوں کو جن کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا کبھی نہیں دیکھ سکتی۔

جانوروں کے اندر اتنی سمجھ اور دور اندیشی کا پایا جانا کسی طرح بھی بلا وجہ یا اتفاقی طور پر نہیں ہو سکتا۔
۴۔ انسان کے اندر دوسرے حیوانات کی بہ نسبت عقل و تمیز کا مادہ یعنی تفکر و تدبر اور استدلال کی قوتیں بہت زیادہ رکھی گئی ہیں۔

آج تک کبھی نہیں سنا کہ کوئی حیوان دس تک گن سکتا ہے یا دس کے معنی ہی جانتا ہے۔ حیواتی جبلت سارنگی کے ایک سُر کی طرح ہے جو بہت اچھا سُر ہو مگر محدود ہو۔ لیکن انسانی دماغ میں پورے آرکسٹرا کی دھنیں موجود ہیں۔

ہمیں اس نکتہ کو زیادہ چھپانے کی ضرورت نہیں پاتا۔ ہم جو کچھ ہیں وہ اسی وجہ سے ہیں کہ کائناتی عقل کے نیّر درخشاں نے اپنے بصارت سوز نور میں سے ایک چھوٹی سی کرن ہمیں بھی عطا کی ہے۔

۵ مسلسل تجربات سے ہم نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ حیاتی خلیئے کہاں ہوتے ہیں ان کے تجزیے اور وظائف کیا ہیں۔ ڈاروِن کے زمانہ میں یہ علم ابھی ناپید تھا۔

یہ زندگی بخش جواہر اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کی ماہیت کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ یوں سمجھئے کہ اس وقت دنیا میں جہاں جہاں بھی اور جتنی بھی زندگی پائی جاتی ہے اگر اس سب زندگی کی اصل یعنی اس کے خلیات کو یکجا کر کے انہیں ایک انگشتانہ میں ڈالا جائے تو وہ اسکے اندر بھی تھوڑی سی جگہ گھیریں گے لیکن یہ خلیئے دنیا کی ہر جاندار چیز کو وجود میں لانے کے باشرکت غیرے ذمہ دار ہیں۔ ہر جاندار کی زندگی میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں، وہ جن ادوار میں سے گذرتا ہے اور اس کے اندر جس قدر خصائص اور جتنی صلاحیتیں ہوتی ہیں وہ سب اسی حیاتیاتی خلیئے ہی کی نمود ہوتی ہے اور یہی خلیہ زندگی کے متعدد عنوانات کا مصدر و مخزن ہوتا ہے۔ یہ خلیئے اپنے اس چھوٹے سے حجم میں ایک جاندار کے آباؤ اجداد کی لاتعداد روایات، عادات، خصوصیات، جسمانی تشکیل و عوارضات اور دیگر ان گنت خصائل کو کس طرح بند کر لیتے ہیں۔ اب ہم صحیح اور واضح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے ارتقاء کا لفظِ آغاز یہ ہے نہ کہ ڈاروِن کی تھیوری۔

یہ کیونکر ہے کہ صرف چند لاکھ ایٹم باہمدگر مربوط جواہر حیات کی شکل میں کائنات کی پوری زندگی پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ اس ایک توجیہ کے سوا کہ یہ سب کچھ ایک بہت بڑے حکیم کی حکمت کے مظاہر ہیں۔ اس کی اور کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

۶ - قدرت نے جن خطوط پر اس کائنات کی معیشت کا سامان کیا ہے۔ اُسے دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ قوانین ایک عقل کُل اور حکیم مطلق کے سوا کسی دُوسرے ذہن کی تخلیق نہیں ہیں۔ انہیں اسی نے بنایا ہے جس کی نظر لامحدود ہے اور جو ہر ڈھکے اور چھپے کو جاننے والا ہے۔

بہت پرانی بات ہے کہ ایک دفعہ آسٹریلیا میں کیکٹس پودے کی ایک قسم کو حفاظتی باڑ کے لئے کاشت کیا گیا۔ اتفاق سے آسٹریلیا میں اُس وقت اس پودے کا کوئی دشمن کیڑا بھی موجود نہ تھا۔ بس پھر کیا تھا یہ بڑھنا شروع ہو گیا اور لوگوں کے نہ چاہنے کے باوجود نہایت تعجب خیز طریق پر بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ جلد ہی اس نے جزیرہ برطانیہ کے رقبہ کے برابر رقبہ گھیر لیا۔ اب ہر طرف نہراس پھیل گیا۔ لوگوں کے زرعی فارم اُجڑ گئے شہروں میں باغات اور گھروں کے اندر یہ پودا گھس آیا اور بعض جگہوں میں لوگوں کو بستیاں چھوڑنا پڑیں، حکومت کا محکمہ حشریات (ENTOMOLOGY) پوری طاقت سے اس بلا کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چنانچہ یہ لوگ اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے پوری دنیا میں بکھرے۔ آخر انہیں ایک ایسے کیڑے کا پتہ لگ گیا جس کی خوراک یہی پودا تھا اور اس کی نسل کشی بھی بڑی تیزی کے ساتھ ہو[illegible]
اس کیڑے کے استعمال کے بعد اس وقت آسٹریلیا میں کیکٹس کے پودے صرف مطلوبہ تعداد میں موجود ہیں۔
اس [illegible] وہ مُلک گیر تاراج ختم ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی کیکٹس خور کیڑوں کی بہت بڑی تعداد خود بخود ختم ہو گئی [illegible] صرف اتنی تعداد باقی رہ گئی جو اس پودے کو بے تحاشا پھیلنے سے روکے رکھے۔
اس قسم کے اعتدالی اور اصلاحی عوامل کائنات کے ہر شعبے میں مصروف کار ہیں۔

یہ کیوں ہے کہ وہ کیڑے جن کی بڑھوتری نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ہو رہی ہے پوری زمین پر نہیں چھا جاتے ——— یہاں بھی قدرت نے ایک روک لگا رکھی ہے۔ اس قسم کے جملہ حشرات الارض اور نباتاتی اور حیوانانی کیڑوں کو قدرت نے پھیپھڑوں سے محروم رکھا ہوا ہے۔ یہ نالیوں کے ذریعے سانس لیتے ہیں، پھر قدرت نے یہ بھی بندوبست کیا ہے کہ ان کے جسموں میں [illegible] بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن ان کی سانس لینے والی نالیوں کو جسم کی بہ نسبت بہت ہی کم بڑھنے [illegible] ہے۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر یہ کیڑے جسامت میں نہیں بڑھ سکتے۔ اگر یہ روک پیدا نہ کی جاتی [illegible]ن کے لئے دُنیا میں رہنا دشوار ہو جاتا۔

۷۔ وجود باری تعالیٰ کا سب سے بڑا ثبوت میرے خیال میں یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں اس کا تصور ہوتا ہے

اس کائنات میں صرف انسان ہی ہے جس کی روحانی طاقت اس کے دل میں اللہ تعالےٰ کا تصوّر پیدا کرتی ہے۔ اس طاقت کو ہم غور و فکر کا نام دے سکتے ہیں اس غور و فکر اور تفکّر فی آیات اللہ سے انسان کے اندر اتنی زبردست رُوحانی بلندیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ یہ اس کیفیت میں ان دیکھی چیزوں کی حقیقت جان لیتا ہے۔ یہ طاقت ایک انسان کے سامنے کشفِ حقائق کا ایک وسیع میدان کھول دیتی ہے۔ اس کے قلبی تصوّرات رُوحانی حقائق کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اُسے آفاق و انفس کی لا تعداد نشانیوں سے اللہ تعالےٰ کی ذات کی گواہی ملتی ہے۔ وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ خدا ہر چیز میں ہے، ہر جگہ ہے اور سب سے زیادہ وہ ہمارے دلوں کے قریب ہے۔

عام غور و فکر اس نظریہ کے حق میں جتنی گواہی دیتی ہے۔ سائنس بھی اس کی اسی قدر تائید کر رہی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی

کی معرکۃ الآراء تصنیف

تزکیۂ نفس

اسلامی تصوف

یا

اسلام کا مطلوبہ تزکیہ علم و عمل

سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں

قیمت: قسم اول ـــ چھ روپے قسم دوم ـ چار روپے پچاس پیسے

قسم سوم ـ تین روپے پچھتر پیسے

ملنے کا پتہ: ـــ مکتبہ "میثاق" رحمان پورہ ـ اچھرہ ـ لاہور ۱۲

تقریظ وتنقید

تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ

تالیف: محمود احمد عباسی

صفحات: ۵۱۲ قیمت: آٹھ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ محمود ۲۶/۱ بی ایریا لالوکھیت کراچی۔

و مکتبہ علم و حکمت سوتر منڈی لاہور

آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہوگئی کہ اسکی تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی جائے یا اس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم کی بیقدری ہے۔ پھر اس بے قدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں تو اسکی قباحت دوچند ہو جاتی ہے۔ لیکن چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر کے اپنا مقام اب تسلیم کرا لیا ہے۔

"خلافت معاویہ و یزید" کا بنیادی نقطۂ نظر، جیسا کہ "میثاق" کے قارئین جانتے ہوں گے، یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے جو واقعات شیعہ ذاکروں کی زبان سے سُنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ من وعن صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کے بیان میں بہت سی حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ عباسی صاحب نے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر ان من گھڑت قصوں کی حقیقت واضح

کردی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو نہایت وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں جتنے نادر سمجھ کر ان کے مخالفین نے درجنوں کتابیں ان کے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ فاضل مصنف نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی اُمیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور اپنے دلائل کا اس قدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ "خلافت معاویہ ویزید" اردو زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے نقطۂ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح صورت میں پیش کرتی ہے۔

"خلافت معاویہ ویزید" کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاکدامنی اور حضرت حسینؓ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کے لئے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں، حتیٰ کہ اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو ان کی تحقیق کے کڑے معیار پر پوری اُتر سکی ہے۔

ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کا اونچا معیار تحقیق ہی ہے۔ عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگا لیا ہے جن کے ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا موجب بنی ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زدِ عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹر رافضی، کذاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت کو پہلے ثابت نہ کر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اس کے لئے ممکن نہیں۔

زیر نظر کتاب "تحقیق مزید" "خلافت معاویہ ویزید" ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ازواج مطہرات کے

علاوہ پونے تین سو صحابہؓ (جن میں اصحاب عشرہ مبشرہ، بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے) کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولیعہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کے لئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کے مرتکب قرار دے یا اس کے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطۂ نظر بدلائل پیش کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلہ میں طالبین قصاص نے جو جد وجہد کی اور اس کے نتیجہ میں ہولناک جنگیں ہوئیں، فاضل مصنف کی تحقیق میں اسے ناکام بنانے میں سبائیوں کا زبردست ہاتھ تھا۔ وہ چونکہ حضرت علیؓ کے لشکر میں بکثرت موجود تھے۔ اس لئے قصاص کی کسی بھی تحریک کے آڑے آتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ اس مطالبہ کے پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکے اور قصاص بالآخر امیر معاویہؓ نے لیا۔ اس بحث کے ضمن میں پہلی بار عباسی صاحب نے ان وضعی روایات کی قلعی کھولی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ طلب قصاص کی جد وجہد میں نکلنے پر ہمیشہ نادم رہا کرتی تھیں ــــ اس بحث میں حضرت معاویہؓ کا رول ہم پر واضح نہیں ہو سکا۔ فاضل مؤلف کے نزدیک اس زمانہ کی خانہ جنگی طلب قصاص ہی کے مسئلہ پر ہوئی، مسئلہ خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کو قائم خلافت سمجھتے تھے تو ان کے ساتھ ان کی آویزش کس بنیاد پر تھی؟ اور شام میں ان کی حکومت کیا اس خلافت کے متوازی نہیں ہو گئی تھی، جسے وہ خود قائم خلافت تسلیم کرتے تھے؟ ایک اور سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی صحابہؓ حضرت علیؓ کی قائم خلافت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کرتے تو کیا حالات اتنے دگرگوں ہو گئے تھے کہ سبائی ملت کی سیاست پر اسی طرح چھائے رہتے جس طرح تاریخ اب انہیں دکھاتی ہے؟ وقتی طور پر ایک ہنگامہ کھڑا کر دینا آسان ہوتا ہے لیکن اسے سالہا سال تک قوم کی مرضی کے خلاف مسلط رکھنا بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ یہاں یہ بحث بھی غور طلب ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد کیا وہی نقطۂ نظر اپنانے میں حق بجانب نہ تھے جو رائے خلافت کے بارے میں حضرت عثمانؓ کا تھا؟ پھر اگر تحکیم کے موقعہ پر انہوں

نے معزولی کے حکم کو ثالث کے اختیارات سے باہر سمجھا ہو تو کیا اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے؟
بہر حال اس بحث میں یہ چند سوال پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب اس کتاب کے صفحات سے تبصرہ نگار کی سمجھ میں نہیں آسکا۔

کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شروع سے اہل بیت میں موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اٹھیں تو ان کے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ ان کے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے۔

اس کتاب میں بے شمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالبعلموں کے لئے یقیناً تعجب خیز ہونگے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابو طالب کا حضورؐ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا، حضورؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہر بانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ علی زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ

ایک بات جو ہم نے محسوس کی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف جن روایات سے خود استفادہ کرتے ہیں ان کے حسن و قبح یا معیار صحت پر کوئی رائے زنی نہیں کرتے۔ حالانکہ جب وہ خلاف مقصد روایات پیش کرتے ہیں تو ان پر ہر لحاظ سے بحث کرتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ انہیں ایسی تمام روایات کی صحت پر بھی بحث کرنی چاہیئے تھی جن سے وہ معروف نظریات کے خلاف استدلال کرتے ہیں

اگرچہ ہمارے نزدیک مجموعی طور پر مصنف نے نہایت اعتدال سے کام لیا ہے اور کتاب میں مناظرہ بازی کی کیفیت پیدا نہیں ہونے دی ہے۔ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف دوران تحریر میں بعض اوقات ایسی چیزیں بھی پیش کر دیتے ہیں جن کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر ان سے صرف نظر بھی کر لیا جاتا تو مولف کے استدلال کی قوت قائم رہتی۔ یہاں ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ صرف اشارتاً صفحہ ۱۱۳ کے نوٹ کا ذکر کریں گے جس کی صحت مشکوک ہے لیکن اس

سے ہر اس قاری پر بُرا اثر پڑے گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو عملی اعتبار سے بہت بلند سمجھتا ہو۔

مندرجہ بالا بحثیں کتاب کے تین سو صفحات کو محیط ہیں۔ آخری دو سو صفحات میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو خلافت معاویہ ویزید کے بارے میں اُٹھائے گئے تھے۔ یہ تمام بحثیں پہلے شائع ہو چکی ہیں اور ان کا صرف ایک حصّہ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے۔ باقی دوسرے اہل قلم کا ہے۔ ہمارے نزدیک کتاب کے شایان شان طرزِ عمل یہ ہوتا کہ پہلی کتاب کے جو حصے بحث ونظر کا سبب بنے تھے، نئے ایڈیشن میں انہیں مزید وضاحت سے لکھ دیا جاتا اور اگر ضمنی بحثوں کے کتابی شکل میں شائع کرنے کی واقعی ضرورت ہوتی تو انہیں الگ کر کے شائع کیا جاتا۔

اسی طرح ایک اختلاف ہمیں مصنف، سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے زیر نظر کتاب کی کتابت وطباعت اور تصحیح وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ یہ کتاب کسی وقتی اور ہنگامی مسئلہ پر نہیں لکھی گئی ہے کہ اس کی ضرورت چند سال بعد محسوس نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا شمار ان کتابوں میں ہے جو علم کی تاریخ میں باقی رہتی ہیں۔ اسی لئے ہم اسکے عمدہ کاغذ پر اچھی کتابت وطباعت کے ساتھ شائع کئے جانے کے حق میں ہیں۔ موجودہ شکل میں کتاب میں پروف کی متعدد غلطیاں نظر آتی ہیں بلکہ صفحہ ۱۹۶ پر درج شدہ فاضل بن علی بن حسن کے خروج کی تفصیل بھی نہیں دی گئی جو شاید عدم توجہی کے سبب نظر انداز ہو گئی ہے۔ (خ م)

ماہنامہ

میثاق

کی جلدیں

جن حضرات کو "میثاق" کی پرانی جلدیں مطلوب ہوں وہ فوراً اپنے آرڈر ارسال فرمادیں۔ اس وقت دو تین شماروں کے سوا تمام پرچے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ فراہمی میں تاخیر کر کے اس گراں قدر چیز سے محروم نہ رہیے

قیمت فی شمارہ (۶۰) ساٹھ پیسے
پرانے یا نئے مستقل خریداروں کو ہر پرچہ پچاس پیسے ہی میں دیا جائے گا

منیجر ماہنامہ "میثاق" رحمان پورہ اچھرہ لاہور ۱۲

محی الدین پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور سے چھپوا کر دفتر میثاق ۱۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع کیا

Regd No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

MAY, 1962

چند اہم مطبوعات

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر قرآن (قرآن فہمی کیلئے رھنما)	3.25	تزکیہ نفس	
تدبر قرآن (تفسیر آیة بسم‌الله و سورہ فاتحہ)	0.75	عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ	

تصانیف مولانا حمیدالدین فراہی رح

مفردات القرآن	1.25	جمہرۃ البلاغہ	

(اردو تراجم)

مقدمہ تفسیر نظام القرآن	0.75	تفاسیر فراہی رح	
اقسام القرآن	1.13	ذبیح کون ہے ؟	

مطبوعات دیگر مصنفین

(حیات) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	22.50	(آنحضرت ص) سیرت ابن ہشام	
ابوبکر رض صدیق اکبر	10.00	عمر رض فاروق اعظم	
حیات امام احمد بن حنبل رح	10.00	امام اعظم رح	
حیات امام مالک رح	10.00	آثار امام شافعی رح	
حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح	21.00	قادیانیت	
زاد سفر (حصہ اول)	3.75	Islam and the World	

ملنے کا پتہ

مکتبہ میثاق ۔ رحمان پورہ (اچھرہ) لاہور-12